عمران سیریز

120

ابنِ صفی



بیباکوں کی تلاش

عمران سیریز نمبر 120

بیباکوں کی تلاش

ابن صفی

تیسرا ضخیم ناول

پیشرس

جونک کی واپسی اور زہریلی تصویر کے بعد بیباکوں کی تلاش ملاحظہ فرمایئے۔ یہ اس سلسلہ کی آخری کتاب ہے۔

جونک کی واپسی مادام نشی کا کی مکمل کہانی تھی۔ زہریلی تصویر میں پروفیسر راشد کا قصہ تھا۔ بیباکوں کی تلاش میں صبیحہ کی داستان اور انجمن کا طریق کار ملاحظہ فرمایئے!

مجھے یقین ہے کہ صبیحہ کا کردار پسند کیا جائے گا۔ وہ ایک ہلکی قسم کی اذیت پسندی کی شکار ہے۔ دوسروں کو جھلاہٹ میں مبتلا کر کے مسرور ہونا اس کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔

سنگ ہی بھی اس کہانی میں ذہنی جنگ کے ماہر کی حیثیت میں نظر آئے گا۔ عمران اور وہ دونوں ہی ایک دوسرے کی تاک میں تھے۔ اس لئے شروع سے آخیر تک ذہنی جنگ ہوتی رہی ہے۔ ذہنی جنگ میں بہت زیادہ دھینگا مشتی یا ٹھائیں ٹھائیں کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لیکن میرا خیال ہے کہ زیادہ تر پڑھنے والے اسی دھوم دھڑکے کے منتظر رہے ہوں گے کیونکہ یہ اس سلسلے میں آخری مقابلہ تھا۔

کہانی ختم کرنے کے بعد آپ سوچیں گے کہ کئی معاملات کی وضاحت نہیں کی گئی۔ دیدۂ و دانستہ ایسا ہوا ہے کہانی کی تکنیک اسی کی متقاضی تھی کہ کچھ سوالات کے جواب پڑھنے والے خود ہی مرتب کریں۔

اکثر پڑھنے والے بعض بہت پرانے اور غیر اہم کرداروں کی واپسی کے مطالبے کرتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ابھی حال ہی میں ایک صاحبہ نے ''لاشوں کا آبشار'' والی کنول کی واپسی کی فرمائش کی ہے۔

اس سلسلے میں کیا عرض کیا جائے۔ ویسے اَب اگر کنول واپس بھی آئی تو آپ بور ہو کر رہ جائیں گے کیونکہ اس کے پیچھے کم از کم سات عدد بچوں کی فوج بھی ہو گی۔ اب وہ اتنی زندہ دل اور کھلنڈری نہیں رہی۔ بچوں کو ہر وقت جھڑکنے اور آنکھیں دکھاتے رہنے کی وجہ سے چہرے کی شادابی اور شوخی رخصت ہو چکی ہے۔ شوہر پر طنز کرتے رہنے کی بناء پر آواز میں زہریلا پن پیدا ہو گیا ہے۔ کئی کئی دن لباس نہیں تبدیل کرتی.... زیادہ تر باورچی خانے میں سر کھپاتی رہتی ہے۔ بھلا بتایئے کیا حال ہوگا آپ کی

جمالیاتی حس کا جب اُسے برتن مانجھتے دیکھیں گی اور اس وقت تو آپ آنکھیں ہی بند کرلیں گی جب وہ برتن مانجھ چکنے کے بعد ہاتھوں کو تولئے سے خشک کرنے کی بجائے قمیض کے پیچھے دامن پر پھیرتی نظر آئے گی۔

ایسی ہی بہتیری باتیں جن سے آپ کا ذوق نظر مجروح ہو سکتا ہے۔ اس لئے خاص کرداروں کے علاوہ دوسرے کردار نئے ہی چلنے دیجئے۔ ویسے انور اور رشیدہ کے سلسلے میں آپ کی خواہش ضروری پوری کی جائے گی۔

عرصہ سے سوچ رہا ہوں کہ انور اور رشیدہ کا بھی ایک ضخیم ناول پیش کیا جائے.... لیکن.... کب؟ دیکھئے کب موقع ملتا ہے۔

ابن صفی

۲۸/ مئی ۱۹۶۵



ناک میں دم کر رکھا تھا گھر بھر کا.... وہ ایسی ہی تھی۔ ایم اے کے پہلے سال میں پڑھتی تھی۔ فلسفہ لے رکھا تھا.... باپ آزاد خیال اور جدت پسند تھے اور ماں اول درجے کی قدامت پسند۔ نقاب ڈالے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلتی تھیں اور شوہر پر خار کھاتی تھیں کہ بیٹی کو اتنی آزادی کیوں دے رکھی ہے۔ صبیحہ نے انہیں اتنا پریشان کیا تھا کہ قریب قریب مامتا کے جذبات ہی فنا ہو کر رہ گئے تھے اور اب وہ اُن کے لئے ایک ایسی ہستی بن کر رہ گئی تھی جس کی صورت دیکھتے ہی غصہ آجانا لازمی تھا۔

باپ کبھی کسی مسئلے میں دخل نہیں دیتے تھے۔ کچھ بھی ہو رہا ہو ان کے کان پر جوں نہ رینگتی۔ صبیحہ کی شوخیوں پر صرف مسکرا کر رہ جاتے تھے۔ کبھی اُس سے کسی بات کی باز پرس نہیں کی تھی.... اگر وہ اپنے کسی بوائے فرینڈ کو بھی گھر پر بلا لیتی تو شائد انہیں اعتراض نہ ہوتا۔ ویسے صبیحہ نے کبھی ایسا کیا نہیں تھا.... تھا ہی نہیں کوئی بوائے فرینڈ۔ وہ تو محض اپنی ماں اور نانی کو جلانے کے لئے کسی سہیلی کے بھائی کا تذکرہ لے بیٹھتی.... وہ چیختی چلاتیں اور صبیحہ بڑی سنجیدگی سے کہتی.... ”ارے بس دوستی ہے ان سے کوئی میرے عاشق تھوڑا ہی ہیں۔“

ماں لفظ عاشق پر ہزاروں سلواتیں سناتیں اور کہتیں ”ارے کمبخت یہ تو بازاری عورتوں کے سے انداز میں کیوں باتیں کرنے لگتی ہے۔“

اس پر وہ بڑے فلسفیانہ انداز میں انہیں سمجھاتی کہ عاشق کو عاشق ہی کہیں گے.... ناشتہ دان نہیں.... ویسے اگر ناشتہ دان کہنے سے مفہوم پورا ہو جائے تو وہ مجنوں لیلیٰ کا عاشق تھا کہنے کی

بجائے مجنوں لیلیٰ کا ناشتہ دان تھا، بھی کہہ سکتی ہے۔

ایسی باتوں پر انہیں اس زور سے غصہ آتا کہ ان کی زبان ہی بند ہو جاتی اور پھر نانی جو شروع کرتیں گالی اور کوسنے تو ہنستے ہنستے اُس کے پیٹ میں بل پڑ جاتے۔ نئی نئی اصطلاحیں سننے میں آتیں.... وہ آدھی اردو اور آدھی پوربی میں ویسے بھی گفتگو کرتیں۔ غصے کی حالت میں پوربی اور اردو کچھ اسطرح گڈمڈ ہوتی کہ ایک تیسری زبان عالم وجود میں آجاتی جسے شاید وہ خود بھی نہ سمجھ پاتیں۔

صبیحہ دوسروں کو چڑانے میں ایک خاص قسم کی لذت محسوس کرتی تھی.... جب کسی کو اپنی باتوں پر جھنجھلاہٹ میں مبتلا دیکھتی تو اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے سارے جسم میں ہلکی ہلکی سرور انگیز سی گدگدی ہو رہی ہو۔

جس دن اُسے کوئی ایسا موقع نصیب نہ ہوتا بجھی بجھی سی رہتی۔ کسی کام میں دل ہی نہ لگتا۔ لوگوں کو جھلاہٹ میں مبتلا کرنے کے لئے نئی نئی حرکتیں کرتی۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ ان کا انجام کہیں کسی حادثہ کی شکل میں نہ ظاہر ہو۔

آج تو ایسی حرکت کر گزری تھی کہ جس کی بناء پر کسی بھی کنواری لڑکی کی شامت بلا علم و اطلاع آسکتی تھی۔

اپنے فرضی عاشق کی طرف سے خود ہی ایک خط لکھ ڈالا تھا.... کئی طرح کے اندازِ تحریر پر قادر تھی.... لہٰذا اماں کے دھوکا کھا جانے میں کوئی شبہ ہی نہیں تھا۔ یہ خط ایسی جگہ رکھا گیا جہاں ماں یا نانی کی نظر ضرور پڑے۔

اُس نے اپنے فرضی عاشق کی طرف سے لکھا تھا۔

"حد سے زیادہ پیاری صبیحہ!

تم سے ملنے کی کوئی صورت نہیں رہی۔ تم تین دن سے یونیورسٹی کیوں نہیں آرہیں.... متواتر تین راتوں سے جاگ رہا ہوں کیا کروں سمجھ میں نہیں آتا جس دن تم سے ملاقات نہیں ہوتی کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ تمہارے گھر آتا مگر تم پہلے ہی بتا چکی ہو کہ والدہ صاحبہ بڑی جلاد ہیں، لہٰذا ہمت نہیں پڑتی.... ویسے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تمہارے بنگلے کی کمپاؤنڈ کی دیوار پھلانگ کر اندر چلا آؤں.... بھئی میں تو آج رات کو یہی کروں گا خواہ کچھ ہو۔ گیارہ بجے رات کو کمپاؤنڈ ہی میں ملنا....

تم پہلے ہی بتا چکی ہو کہ تمہارے یہاں کتے نہیں ہیں۔ پھر کیا ڈر ہے کسی کا۔ کانوں کان خبر نہ ہو گی۔ ویسے مجھے اس کا علم ہے کہ تمہارے پاپا دورے پر گئے ہوئے ہیں.... فقط

تمہارا اختر...."

بہر حال خط ماں کے ہاتھ لگا۔ پڑھ کر سنانے میں رہ گئیں۔ وہ چھپ کر انہیں دیکھ رہی تھی تھوڑی دیر تک وہ سر تھامے بیٹھی رہیں۔ پھر اپنی ماں کے پاس گئیں صدمہ بھی تھا اور غصہ بھی.... دونوں میں کچھ کھسر پھسر ہوئی اور پھر صبیحہ نے دونوں کے رونے کی آواز سنی.... بڑی بی تو باقاعدہ بین کر رہی تھیں لیکن کیا کہہ رہی تھیں یہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ البتہ اپنے منہ میں دوپٹہ ٹھونس ٹھونس کر ہنسی روکنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ چھوٹے بھائی بہن اسکول گئے ہوئے تھے ورنہ پورا بنگلہ ماتم کدہ بن کر رہ جاتا۔ وہ خود آج کئی دنوں سے یونیورسٹی نہیں گئی تھی۔ موڈ نہیں تھا۔ ایک گھنٹے بعد دونوں خواتین کمرے سے باہر آئی تھیں۔ دونوں کی آنکھوں پر ورم سا آگیا تھا۔ ناکیں سرخ ہو رہی تھیں۔ صبیحہ نے دور سے دیکھا اور کنائی کاٹ کر دوسری طرف نکل گئی۔ ڈر تھا کہ سامنا ہونے پر اُسے ہنسی نہ آجائے۔ وہ تو اس کی منتظر تھی کہ اب وہ دونوں اس پر گرجیں برسیں گی لیکن ایسا نہ ہوا.... شام تک انہوں نے اس سے کوئی بات نہ کی بس قہر آلود نظروں سے گھورتی رہیں.... البتہ صبیحہ نے محسوس کیا کہ تینوں ملازموں کو کچھ خاص قسم کی ہدایات دی جارہی ہیں.... وہ سمجھ گئی کہ دونوں خواتین کی یہ خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہو گی۔ پھر ہنسی کے مارے اس کا بُرا حال ہو گیا۔ شاید وہ دونوں اُس کے خیالی دوست کو گھیرنے کی اسکیم بنا رہی تھیں.... اُس نے سوچا مزہ آئے گا.... تینوں ملازمین گیارہ بجے رات تک پائیں باغ میں چھپے بیٹھے رہیں گے اور یہ دونوں بار بار برآمدے میں نکل کر دیکھیں گی کہ شکار پھنس گیا یا نہیں۔

چھوٹے بھائی بہن اسکول سے آئے تو گھر میں سناٹا تھا۔ ان بیچاروں کو بھی تشویش ہوئی ہو گی کہ آج یہ چہکتی بازار قبرستان کیوں بن گیا ہے ان میں سے شاید کسی نے ماں سے پوچھ بھی لیا تھا کہ باجی کہاں ہیں۔

بس پھر کیا تھا.... شامت آگئی اُس کی.... چٹاچٹ کئی طمانچے پڑ گئے اس نے چنگھاڑنا شروع کر دیا۔ پھر جو بھی دریافت حال کے لئے قریب آیا.... دو چار ہاتھ اُس نے بھی کھائے۔ کان پڑی

آواز نہیں سنائی دیتی تھی.... اور صبیحہ بڑے اطمینان سے اپنے کمرے میں لیٹی پڑھے ہوئے رسائل کے اشتہارات پڑھتی رہی۔

چھوٹا بھائی جس کی عمر بارہ سال تھی پتنگ بازی کے شوق میں مبتلا ہونے کی بناء پر پٹنے سے بچ گیا تھا۔ وہ اسکول سے آتے ہی پتنگ اور چرخی سنبھال کر چھت پر جا چڑھا تھا۔

بہر حال ہنگامہ فرو ہونے کے بعد اُسے بھی فکر ہوئی تھی کہ آخر ان سبھوں کی پٹائی کس بناء پر ہوئی تھی۔ ماں یا نانی سے تو پوچھنے کی ہمت نہ پڑی۔ پٹنے والوں سے پوچھا لیکن وہ وجہ نہ بتا سکے۔ آخر صبیحہ سے ہی پوچھنا پڑا۔

"کمبختی ہے تمہاری....!" صبیحہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"کیوں باجی.... میں نے کیا کیا ہے؟"

"اگر میرے بڑے بھائی ہوتے تو وہ بیچارے کیوں پٹتے۔"

"میں نہیں سمجھا باجی۔"

"ارے.... میرے بڑے بھائی ہوتے تو انہیں ہی میری شادی کی فکر ہوتی.... پاپا کو تو نہیں ہے.... ممی کو اس کا بڑا قلق ہے.... کہہ رہی تھیں کہ اگر انور بڑا بھائی ہوتا تو اب تک کبھی کی صبیحہ بیاہی جا چکی ہوتی.... اُن حضرت کو تو فکر ہی نہیں ہے کسی بات کی۔"

"لیکن.... ٹلو پپو اور گڈو کیوں پٹ گئے۔"

"وہ تینوں کہہ بیٹھے تھے کہ ہم جارہے ہیں باجی کے لئے دولہا ڈھونڈنے۔"

"واقعی....؟" صبیحہ نے تحیر آمیز سنجیدگی سے پوچھا۔

"یس سر....!"

"اچھا تو جاؤ.... شاباش....!"

اس نے سوچا اَب براہِ راست ہنگامے کے امکانات ہیں.... وہ بھی چپکے سے اٹھ کر بھائی کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ یہاں بھائی ماں سے کہہ رہا تھا۔

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہوتی ہیں ممی.... پاپا کو فکر نہ ہو مجھے تو ہے۔"

"کاہے کی فکر....!" وہ جھلا کر پلٹیں۔

"باجی کی فکر.... میں نے ڈھونڈ لیا ہے۔ چودھری اللہ رکھا۔ مویشی خانے کے منشی ہیں۔"

قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتیں.... صبیحہ نے چہک کر پوچھا۔ ''اچھا بڑی بڑی مونچھیں ہیں یا نہیں.... شلوار پہنتے ہیں کہ تہمد....!''

''ٹھہر تو جا... حرافہ....!'' دفعتاً نانی جوتی اتارنے کیلئے جھکیں.... اور وہ اچھل کر بھاگی۔

اَب نانی اور ماں دونوں اُس کے پیچھے دوڑ پڑی تھیں۔

وہ کد کڑے لگاتی ہوئی برآمدے سے گذر کر پائیں باغ میں چلی آئی اور وہ دونوں برآمدے ہی میں کھڑی ہانپتی رہ گئیں۔

پھر آ گئی شامت اس بھائی کی جسے بہن کی فکر تھی۔ ماں نے اسے دونوں ہاتھوں سے پیٹنا شروع کر دیا تھا.... اور صبیحہ لان پر اوندھی پڑی ہوئی بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

پھر رات تک ہنگامہ ہی رہا تھا اور تینوں ملازمین پائیں باغ کے کسی گوشے میں چھپے بیٹھے تھے ماں اور نانی بار بار بیرونی برآمدے تک جاتیں اور پھر واپس آ جاتیں۔

صبیحہ بھی کبھی کبھی اُن کی لاعلمی میں اِدھر اُدھر جھانک آتی۔ پھر ساڑھے دس بجے وہ بھی خود کو بے چین ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اُن دونوں کی دانست میں بھی کئی بار بیرونی برآمدے تک گئی اور پھر اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔ ماں اور نانی اُسے قہر آلود نظروں سے گھور رہی تھیں۔

پھر گیارہ بج گئے.... اور ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا اور اس کی ماں سے بولا۔ ''بیگم صاحب وہ باہر فٹ پاتھ پر کھڑا ہوا ہے.... دیوار پر چڑھے تو پکڑ لیں۔''

صبیحہ برابر والے کمرے سے سن رہی تھی۔ ہنسی روکنے کیلئے اُسے منہ میں دوپٹہ ٹھونسنا پڑا۔

نوکر کو سرگوشیوں میں کچھ ہدایات ملیں اور پھر وہ واپس چلا گیا۔ صبیحہ نے سوچا کہ اب اُسے بھی بیرونی برآمدے کی طرف جانے کے لئے بیتابی ظاہر کرنی چاہئے۔

وہ دبے پاؤں چوروں کی طرح راہداری کی طرف بڑھی.... لیکن ماں اور نانی صدر دروازے کے درمیان حائل نظر آئیں۔

وہ اس طرح ٹھٹھک گئی جیسے چوری کرتے پکڑی گئی ہو۔

''کہاں چلیں....!'' ماں نے ہاتھ نچا کر زہریلے لہجے میں پوچھا۔

''وہ.... ارے.... مم.... مطلب یہ کہ.... دل الجھ رہا ہے.... ذرا ٹہلوں گی۔'' اس نے رک رک کر کانپتے ہوئے کہا۔ بوکھلاہٹ کی بڑی شاندار ایکٹنگ کر رہی تھی۔

"چل بیٹھ ....!" وہ ہاتھ جھٹک کر بولیں۔ "ورنہ آج کھال ہی اُدھڑوا دوں گی۔ پھر دیکھوں گی باوا جان میرا کیا بگاڑ لیتے ہیں۔ شہہ دے دے کر سانڈ بنا دیا ہے چھچھوندر کو۔"

"لینگو یج پلیز.... ممی....!" اُس نے کسی قدر بُرا مان کر کہا۔

"ٹھہر تو.... لینگو یج پلیز کی بچی۔" وہ ہاتھ اٹھا کر اُس کی طرف لپکیں.... پھر وہ جو وہاں سے بھاگی تو اپنے کمرے ہی میں آکر دم لیا.... دروازہ مقفل کر کے بستر پر لوٹنے لگی۔ ہنسی کے مارے سانس نہیں سما رہی تھی۔ پیٹ دبا دبا کر ہنستی رہی۔

ادھر بیگم صاحبہ کچھ دور تو دوڑی تھیں پھر بیرونی برآمدے کی طرف پلٹ گئی تھیں۔

صبیحہ سوچتی اور ہنستی رہی.... کیسا چھکایا.... اب بارہ بجے تک کے لئے فرصت ہوئی اور وہ کمبخت امیرا نہ جانے کس بیچارے کو تاک بیٹھا ہے.... انتظار ہو رہا ہے کہ دیوار پھاندے اور وہ اُسے دھر لیں.... پاپا اگر موجود ہوتے تو یہ شرارت کامیاب نہ ہو سکتی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ کئی طرح کے طرز تحریر پر قادر ہے وہ خود ہی انہیں اپنے کمالات دکھا چکی تھی۔ اگر پاپا کے سامنے یہ خط پیش بھی کیا گیا تو وہ اس قسم کی دوسری تحریر اُن کے سامنے ہی گھسیٹ کر رکھ دے گی۔

تھوڑی دیر تک وہیں لیٹی رہی پھر دروازہ کھول کر جھانکا ہی تھا کہ یک بیک شور سنائی دیا۔

"پکڑ لیا.... بیگم صاحبہ....!" دونوں نے بیک وقت ہانک لگائی تھی۔

"کہاں ہے؟ کہاں ہے۔" بیگم صاحبہ نے بے ساختہ پوچھا۔

"امیرا نے سر پر چادر ڈال کر گھسیٹ لیا تھا۔ گرا جو چاروں شانے چت تو ہم لوگ چھاپ بیٹھے۔ کھوپڑی پر چادر باندھ کر گردن میں گرہ لگا دی۔ یہ بھی نہ دیکھ سکا ہو گا کہ کس نے چادر ڈالی اور کس نے گھسیٹ مارا۔"

"پھر کیا کیا۔"

"بند کر دیا ہے سالے کو...."

صبیحہ نے سنا اور حواس باختہ ہو گئی۔ پتہ نہیں کسے پکڑ لیا کم بختوں نے.... وہ بھی بوکھلا کر دوڑ پڑی۔

"کیا بات ہے.... کیا ہوا؟" اُس نے پوچھا۔

"ابھی بتاتی ہوں....؟" ماں نے دانت پیس کر کہا۔ پھر نوکر سے پوچھا۔ "کہاں ہے۔"

"بند کر دیا ہے.... اسٹور میں....!"

"کسے بند کر دیا ہے۔" صبیحہ بھی جھنجھلا گئی۔

نوکر نے بیگم صاحبہ کی طرف دیکھا لیکن وہ کچھ کہے بغیر اسٹور روم کی طرف جھپٹی چلی گئی۔ اسٹور روم کیا اچھا خاصہ رہائش کا کمرہ تھا جس میں فالتو کاٹھ کباڑ اور مودی خانے کا سامان بھرا رہتا تھا... صبیحہ بھی اُن کے پیچھے ہی پیچھے چلی آئی۔

کھڑکی کی دوسری طرف ایک صحت مند اور وجیہہ جوان سلاخیں تھامے کھڑا احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہا تھا۔

اُس کی ظاہری آن بان دیکھ کر بیگم صاحبہ بھی پل بھر کے لئے ٹھٹھکیں پھر خود کو سنبھال کر سخت لہجے میں بولیں۔ "یہ کیا حرکت تھی۔"

"میں بھی.... میں بھی نہیں سمجھ سکا محترمہ....!"

صبیحہ اُن کے پیچھے کھڑی وحشت زدہ نظروں سے اُس آدمی کو گھورے جارہی تھی جو کافی وجیہہ ہونے کے باوجود بھی پرلے درجے کا احمق معلوم ہوتا تھا۔

"تمہارا نام اختر ہے۔" بیگم صاحبہ اس کی نرم گفتاری پر شیر ہوتی ہوئی دہاڑیں۔

"چلئے اختر ہی سمجھ لیجئے.... کیا فرق پڑتا ہے۔"

"تم ہماری کمپاؤنڈ میں کیوں گھسے تھے۔"

"میں.... نہیں تو.... میں تو گھسیڑا گیا ہوں زبردستی کمپاؤنڈ میں۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"جی اُن سے پوچھ لیجئے جنہوں نے سر پر چادر ڈال کر مجھے اس حال کو پہنچایا ہے۔"

"کیوں....؟" بیگم صاحبہ نوکروں کی طرف مڑیں۔

"جی گھسے نہیں تھے تو گھس ہی آتے۔ بڑی دیر سے پھاٹک کے سامنے فٹ پاتھ پر کھڑے تھے۔"

صبیحہ کا دل اور شدت سے دھڑکنے لگا وہ سوچ رہی تھی کہیں پولیس کیس نہ بن جائے۔ ری شرارت دھری رہ جائے گی۔ اب کیا ہوگا.... اب کیا ہوگا۔

"بہر حال تم اختر ہو۔"

"جی ہاں میں اختر ہوں۔"

"تم لوگ جاؤ یہاں سے۔" وہ ملازموں کی طرف مڑ کر بولیں۔

ملازم چلے بھی گئے لیکن صبیحہ وہیں کھڑی رہی۔ بیگم صاحبہ کے انداز سے ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے انہیں وہاں صبیحہ کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔

بیگم صاحبہ مقید نوجوان کو چند لمحے قہر آلود آنکھوں سے گھورتی رہیں پھر ڈپٹ کر پوچھا۔ "تم صبیحہ کو خطوط لکھتے رہتے ہو۔"

"جج.... جی ہاں....!" اُس نے احمقانہ سعادت مندی کے اظہار میں سر کو جنبش دی۔

صبیحہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"کیوں لکھتے ہو۔" بیگم صاحبہ دانت پیس کر بولیں۔

"بس جی چاہتا ہے۔"

"جی چاہتا ہے کے بچے.... میں تمہیں جیل میں سڑوادوں گی۔"

"اب جو کچھ بھی ہو۔"

"میں تم پر چوری کا بھی الزام لگاؤں گی۔"

"آپ اپنے ہاتھ سے میرا گلا دبا دیجئے گا، مگر میں تو لکھوں گا خطوط۔"

"چپ رہو.... کمینے.... ذلیل....!"

"جی اچھا....!" احمق نے پھر سعادت مندی کا اظہار کیا۔

صبیحہ کا سر چکرانے لگا۔ سٹی گم ہو گئی جس اختر کی طرف سے اس نے خود کو خط لکھا تھا اُس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ لیکن یہ آدمی؟

کون ہے یہ؟ کیوں اتنا بڑا الزام اپنے سر لے رہا ہے؟ اس کی بھی پرواہ نہیں کہ اسے پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ یک بیک صبیحہ جی کڑا کر کے آگے بڑھی اور بولی۔ "تم کون ہو! میں تمہیں نہیں جانتی.... تم نے کبھی مجھے خطوط نہیں لکھے۔"

قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا بیگم صاحبہ کا الٹا ہاتھ صبیحہ کے منہ پر پڑا اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی اس کے بعد تو اسے پتہ ہی نہ چل سکا کہ وہ دونوں ہاتھ بیگم صاحبہ کے تھے یا کسی مشین کے ذریعہ چلنے والے ہتھوڑے کے.... جو تڑاتڑ اُس پر وار کئے جا رہے تھے۔ نانی پاس ہی کھڑی گالیوں اور کوسنوں کے ڈونگرے برساتی رہیں.... بیگم صاحبہ جب اُسے اچھی طرح پیٹ چکیں تو نہ

جانے کیوں خود ہی رونا شروع کر دیا اور دوسرے رہائشی حصے کی طرف چلی گئیں۔ نانی بھی ان کے پیچھے جھپٹی تھیں۔ لیکن صبیحہ پھر کھڑی ہو کر اُس مخبوط الحواس نوجوان کو گھورے جا رہی تھی۔

"مجھے اس پر حیرت نہیں ہے۔" نوجوان نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ "میری ممی تو ان سے بھی زیادہ تیز ہیں۔"

"تم کون ہو؟"

"اختر....اختر علی صدیقی۔"

"یہاں کیوں آئے تھے؟"

"میں یہاں خود نہیں آیا...لایا گیا ہوں... کسی نے پیچھے سے سر پر چادر ڈال کر گھسیٹ لیا۔"

"ہمارے پھاٹک کے سامنے کیوں کھڑے تھے۔"

"اپنے دوست چودھری عبداللطیف کا بنگلہ تلاش کر رہا تھا....دوپہر سے یہ وقت آگیا.... عادل آباد میں اُس کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتا۔"

"تو تم پردیسی ہو۔"

"جی ہاں۔"

"یہاں آس پاس کوئی عبداللطیف نہیں رہتا۔" صبیحہ نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ پھر چونک کر بولی۔ "تم نے خواہ مخواہ یہ کیوں کہہ دیا کہ مجھے خطوط لکھتے رہے ہو؟"

"نہیں تو....!" نوجوان نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو نہیں کہا....انہوں نے پوچھا تھا کہ تم صبیحہ کو خطوط لکھتے رہتے ہو.... میں نے کہا جی ہاں۔"

"یہ کیوں کہہ دیا؟"

"میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ ممی کہتی ہیں جھوٹے کے منہ سے بروزِ قیامت بدبو آئے گی۔"

"میں صبیحہ ہوں.... سمجھے۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"اوہ...ارے واہ....!" نوجوان نے بے تحاشہ ہنسنا شروع کر دیا۔ بدقت تمام ہنسی رکی تو بولا۔ "لاحول ولا قوۃ... میری کزن کا نام بھی تو صبیحہ ہی ہے.... میں اُسے خطوط لکھتا رہتا ہوں۔"

"تم واقعی احمق معلوم ہوتے ہو۔ بالکل گھامڑ.... اَب جیل چلے جاؤ گے.... دیکھ لینا۔" صبیحہ کو اس پر بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا۔

"تب تو واقعی بہت بُرا ہوا۔" نوجوان بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "دوپہر سے اَب تک بھوکا ہوں ٹرین پر جیب کٹ گئی .... ٹکٹ بھی پرس میں تھا۔ ٹکٹ کلکٹر نے رشوت مانگی تھی۔ کہاں سے دیتا۔ آخر اُس نے سامان رکھوالیا اور کہنے لگا جاؤ اپنے دوست چودھری عبدالطیف سے پیسے لے کر آؤ تب سامان دوں گا۔"

"اوہ.... تو کیا تمہیں صحیح پتہ نہیں معلوم اپنے دوست کا۔"

"ایک بار پہلے بھی آچکا ہوں اس لئے بستی کا نام یاد رکھنے کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی تھی اور اَب تو ہر ایک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں۔ بھوک کے مارے دم نکل رہا ہے۔"

"میں کیا کروں.... یہاں قفل لگادیا گیا ہے.... اور چابی ممی کے پاس ہے۔"

"اور ڈڈ.... ڈیڈی کہاں ہیں۔" نوجوان نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"ڈیڈی ہوتے تو اس کی نوبت ہی نہ آنے پاتی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں کیا کروں؟ میں کیا کروں؟" صبیحہ مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔

"آپ کیا کرنا چاہتی ہیں۔"

"آپ ایک غلط فہمی کی بناء پر اس طرح پکڑے گئے ہیں۔ لیکن ممی یقین نہیں کریں گی۔"

"کس بات پر یقین نہیں کریں گی۔"

"یہی کہ آپ وہ اختر نہیں ہیں.... اور پھر آپ کی کوئی کزن صبیحہ بھی ہے۔"

"بالکل سمجھ میں نہیں آیا.... اچھی بات ہے آپ مجھے یہیں بند رہنے دیجئے۔ لیکن کچھ کھلوا تو دیجئے.... ورنہ اب میں بھوک کے مارے بیہوش ہو جاؤں گا۔"

دفعتاً پشت سے نانی کی آواز آئی۔ "اے لو.... یہ حرافہ تو کھڑی اس سے باتیں کر رہی ہے۔ کیا فائدہ ہوا۔"

پھر انہوں نے تینوں نوکروں کو آوازیں دیں جو دوسرے ہی لمحے میں وہاں پہنچ گئے۔

نانی انہیں لیکر آگے بڑھیں اور صبیحہ کو پیچھے دھکیلتی ہوئی بولیں۔ "مارو صورت حرام کو۔"

"مار چکے صورت حرام کو۔" اجنبی نوجوان نے چڑانے کے سے انداز میں کہا۔ "میں اتنا الو نہیں ہوں.... اندر سے دروازے کی چٹخنی چڑھادی ہے.... مارنے سے پہلے انہیں دروازہ توڑنا

پڑے گا.... اُدھر کے دروازے کی بھی چٹخنی چڑھادی ہے.... ہاں۔"

نانی کو شاید اس انداز گفتگو کی توقع نہیں تھی اس لئے ان کا منہ حیرت کے مارے کھلا ہی رہ گیا۔ نوکروں نے بھی خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا لیکن زبان سے کچھ نہ کہہ سکے کیونکہ نوجوان ظاہری رکھ رکھاؤ سے نہ تو نچلے طبقہ کا آدمی معلوم ہوتا تھا اور نہ کوئی لفنگا لہٰذا انہیں تو محتاط رہنا ہی تھا۔

"نانی ماں.... آخر کیوں؟.... یہ کون ہیں.... کیوں پکڑ آگیا ہے انہیں۔" صبیحہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"چل یہاں سے.... چل نہیں تو سب کے سامنے جوتیاں لگاؤں گی۔" نانی نے آگے بڑھ کر اُسے دھکیلنا شروع کیا۔ وہ معمر ضرور تھیں لیکن صبیحہ جیسی دس پر بھاری رہتیں۔ بڑی اچھی صحت تھی.... بیٹی کی بڑی بہن ہی معلوم ہوتی تھیں۔

اُسے اُس کے کمرے تک دھکیل لائیں۔ بیگم صاحبہ بھی اپنے کمرے سے نکل کر ساتھ ہولی تھیں۔ لیکن اس طرح چل رہی تھیں جیسے خواب میں چل رہی ہوں۔

صبیحہ نے سوچا کہ اگر ان لوگوں نے اُسے بھی اس کے کمرے میں بند کر دیا تو پتہ نہیں اس اجنبی کی کیا درگت بنائیں۔ آزاد رہ کر وہ کم از کم اُن کی کسی اسکیم میں رخنہ تو ڈال ہی سکتی تھی ورنہ ہو سکتا ہے ان کا کوئی غلط فیصلہ کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ بن جاتا۔ دفعتاً ایک تدبیر سوجھ گئی۔ اس کے نتائج بھی تباہ کن ہو سکتے تھے لیکن اتنے بھی نہیں کہ تھانے پولیس کی نوبت آجاتی۔

بہر حال اُس نے نانی کے شانے پکڑے اور انہیں جھنجھوڑ کر بولی۔ "ان کی طرفداری ہو رہی ہے جو ابھی کل ہی بڑبڑا رہی تھیں کہ چھاتی پر سوار ہیں بیٹوں کے یہاں نہیں جاتیں۔"

بڑی بی یکلخت چونک پڑیں۔ پلٹ کر بیٹی کی طرف دیکھا جو حیرت سے منہ کھولے کھڑی تھیں۔

"کہتی ہی رہتی ہیں۔" صبیحہ تڑسے دوبارہ بولی۔ "جہاں سنا کسی بہو کے بچہ ہونے والا ہے سر کے بل دوڑی چلی جاتی ہیں چاہے میں مر ہی کیوں نہ رہی ہوں۔"

"ارے ناشدنی کیوں....؟" بیگم صاحبہ اس سے زیادہ نہ کہہ سکیں کیونکہ بڑی بی چیخنے لگی تھیں۔ "بس بس.... وہ جھوٹی نہیں ہے اور چاہے جیسی ہو.... کیا میں تجھے نہیں جانتی ہوں۔ ساری خصلتیں پھوپھیوں کی پائی ہیں تو نے۔"

"اور نوکروں کے سامنے بڑبڑاتی ہیں۔" صبیحہ نے ٹکڑا لگایا۔

بیگم صاحبہ آپے سے باہر ہو گئیں۔ گھونسہ تان کر جھپٹیں لیکن بڑی بی ان کے درمیان آتی ہوئی زہریلے لہجے میں بولیں۔ "جھوٹ کہہ رہی ہے تو چراغ پا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ارے اماں یہ کمینی.... کتیا....!"

"بس بس.... خبردار.... جو اُسے کچھ کہا۔ لعنت ہے تجھ پر اور تیرے گھر پر اَب جو کبھی قدم رکھوں۔"

"ارے اماں.... سنو تو سہی۔"

لیکن بڑی بی اُن کی بھی سننے کی بجائے چیختی چنگھاڑتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں اور صبیحہ نے اپنے کمرے میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اب پوری رات کسی نہ کسی قسم کے ہنگامے ہی کی نذر ہو گی۔

"نکل کم بخت.... نکل باہر.... آج زندہ نہیں چھوڑوں گی.... دیکھتی ہوں کوئی میرا کیا بگاڑ لے گا.... باداجان آکر تیری لاش ہی دیکھیں گے...." وہ دروازہ پیٹنے لگیں۔

"اُس سے پہلے ہی یہاں پولیس پہنچ جائے گی۔" صبیحہ نے اندر سے کہا۔ "آپ نے خواہ مخواہ کسی شریف آدمی کو پکڑوا کر بند کر دیا ہے۔"

"اَب تو وہ حرام زادہ بند ہی رہے گا تاکہ وہ بھی آکر بیٹی کے کرتوت دیکھ لیں جنہوں نے اتنی ڈھیل دے رکھی ہے۔"

"میرے کیسے کرتوت....؟"

"اُس میں تو نہیں جیت سکے گی۔ اُس مردود کا خط میرے پاس موجود ہے۔ جیل بھجواؤں گی۔"

"کیا اُس نے آپ کو کوئی خط لکھا ہے۔"

"چپ حرام زادی.... حرافہ۔" وہ حلق پھاڑ کر دہاڑیں اور انہیں کھانسی آنے لگی۔ اتنے میں پشت سے بڑی بی کی آواز آئی۔ "کیوں پیچھے پڑی ہے اُس کے.... میں کل ہی یہاں سے منہ کالا کر جاؤں گی۔"

"ارے اماں.... یہ جھوٹی ہے۔" بیگم صاحبہ کھانستی ہوئی بولیں۔ وہ روہانسی بھی ہو گئی تھیں۔

"چلو جھوٹی ہی سہی۔ کلیجہ نہ کھاؤ اس کا.... تم بڑی صاف دل اور نیک طینت ہو۔"

"اماں قسم لے لیجئے.... وہ ناشدنی....!"

"بند کر زبان....!" بڑی بی دہاڑیں اور بیگم صاحبہ جلدی جلدی وہاں سے چلی ہی گئیں۔

صبیحہ نے اُن کے قدموں کی دور ہوتی ہوئی چاپ سن کر ہی دروازہ کھولا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ تیر نشانے پر بیٹھا ہے اب شاید کام بن جائے سوچ ہی رہی تھی کہ پیروں کے قریب کنجی گرنے سے کھناکا ہوا اور نانی کی آواز سناٹے میں گونجی۔ "لے نکال جا کر اُس خدائی خوار کو۔"

اور پھر وہ بھی رہائشی کمروں کی طرف چلی گئیں۔ صبیحہ نے کنجی اٹھا کر مٹھی میں دبالی اور کچھ دیر وہیں کھڑی خیالات میں کھوئی رہی۔ پھر اسٹور روم کی طرف روانہ ہو گئی۔ اجنبی نوجوان کھڑکی کی سلاخیں پکڑے کھڑا تھا اور تینوں ملازم اُسے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔

"تم لوگ جاؤ یہاں سے۔" صبیحہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"نہیں.... رہنے دیجئے۔" اجنبی سلاخوں کی دوسری طرف سے بولا۔ "دیکھنے دیجئے.... ایسا لگتا ہے جیسے ٹکٹ لے کر دیکھنے آئے ہوں۔"

"سنا نہیں تم لوگوں نے۔" صبیحہ نے دوبارہ انہیں للکارا اور وہ چپ چاپ کھسک گئے پھر وہ اجنبی کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "میں کنجی لائی ہوں۔"

"اُوہ.... تو اب آپ مجھے نکال باہر کریں گی۔" اجنبی نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں.... کیوں....؟"

"مقدر ہی خراب ہے اپنا۔" اجنبی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اس طرح پکڑے جانے پر بے حد خوش تھا کہ چلو رات بسر کرنے کی جگہ تو نصیب ہی ہو گئی.... شاید کچھ روکھی سوکھی کھانے کو بھی مل جائے۔"

"میں کھانا کھلاؤں گی آپ کو.... لیکن اگر آپ رات بھر یہاں بند رہ گئے تو پھر آپ کو اُس وقت تک یہاں بند رہنا پڑے گا جب تک کہ ڈیڈی نہ آجائیں۔"

"کیوں آخر؟ اس کی وجہ....؟"

"میں نے کسی فرضی اختر کی طرف سے اپنے نام ایک عشقیہ خط لکھا تھا ممی کو جلانے کے لئے وہ پرانے خیالات کی ہیں۔ پاپا الٹرا موڈرن ہیں.... انہوں نے مجھے آزادی دے رکھی ہے۔ ممی اس پر کڑھتی ہیں لہٰذا میں انہیں اور زیادہ جلایا کرتی ہوں۔ بہر حال میں نے اس خط میں لکھ دیا تھا

کہ وہ یعنی اختر آج رات گیارہ بجے کمپاؤنڈ وال پھلانگ کر پائیں باغ میں داخل ہوگا.... مقصد یہ تھا کہ گیارہ بارہ بجے تک گھر میں چہل پہل رہے۔ خط ممی کے ہاتھ لگا کیونکہ اُسے لگنا ہی تھا۔"

اجنبی اُسے تحیر آمیز نظروں سے گھورتا رہا تھا۔ وہ مسکرائی اور سلسلہ گفتگو جاری رکھا۔ "اس طرح آپ آ پھنسے۔ اب وہ پاپا کو میرے کرتوت دکھانے کے لئے آپ کو ان کی واپسی تک قید رکھنا چاہتی ہیں۔"

"میں نہایت خوشی سے قید رہوں گا۔" نوجوان نے بڑے خلوص سے کہا۔

"کیا آپ کی اوپری منزل بالکل خالی ہے؟" صبیحہ نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"ہائے پھر وہی سوال....؟" اجنبی روہانسا ہو کر بڑبڑایا۔

"کیا مطلب....؟"

"پچھلی بار.... اسی سوال کی بناء پر انٹرویو میں رہ گیا ورنہ نوکری ضرور مل جاتی۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"بس اِسی سوال کا جواب نہیں دے سکا تھا لہٰذا ملازمت نہیں ملی۔"

"یہ سوال کیا تھا کسی نے آپ سے؟" صبیحہ نے تحیر آمیز شوخی کے ساتھ پوچھا۔

اجنبی نے بے بسی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو آپ جواب نہیں دے سکے تھے؟"

"سوال ہی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔"

"سوال کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی کھوپڑی عقل سے خالی ہے۔"

"یہ پوچھا تھا اُس مردود نے۔" اجنبی کی آواز غصیلی تھی۔

"اور میں نے بھی یہی پوچھا ہے۔" صبیحہ آنکھیں بند کر کے مسکرائی۔

"میں تھپڑ ماردوں گا.... سمجھیں۔" اس نے سلاخوں کے درمیان سے ہاتھ باہر نکالنے کی کوشش کی۔

"شٹ اپ....!"

"اب تو چاہے بھوکا مرنا پڑے میں تمہیں ماروں گا ضرور۔"

"بلاؤں تو کروں کو۔"

"ارے جاؤ.... بہت دیکھے ہیں.... دھوکے سے پکڑ لیا۔ ورنہ مار کر تینوں کی چٹنی بنا دیتا۔"

"خفا ہونے کی ضرورت نہیں بدھو میاں۔"

"کیا کہا! بدھو میاں.... میرا نام اختر پرویز ہے۔"

"اختر پرویز صاحب براہِ کرم کچھ دیر کے لئے بکواس بند کیجئے.... باہر تشریف لایئے.... شاید میں آپ کے لئے کچھ مہیا کر سکوں؟ چند سلائیس اور تھوڑے سے پارچے.... اتفاق سے ہمارے یہاں سب ہی پیٹو ہیں اس لئے کچھ بچنے بچانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اکثر ملازموں کو تنوری روٹیوں کے ساتھ لہسن کی چٹنی کھانی پڑتی ہے۔"

"میں تو باہر نہیں آؤں گا.... ہرگز نہیں.... مجھے نیند بھی آ رہی ہے۔ اس شہر میں اجنبی ہوں.... نوکری کی تلاش میں آیا تھا۔ واہ کیا نام ہے شہر کا عادل آباد اور کوئی بھی انصاف پسند نہیں۔"

"کیا مطلب.... کیسا انصاف چاہتے ہیں آپ۔"

"یہی کہ زبردستی پکڑوایا ہے تو اب دو چار دن تو قیام کرنے دیجئے۔"

"میرے پاپا ڈپٹی کلکٹر ہیں.... کھال کھچوا لیں گے۔"

"ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں کہ بہت آزاد خیال ہیں۔"

"اب اتنے بھی نہیں کہ میرے کسی عاشق کو برداشت کر لیں۔"

"میں زبردستی تو عاشق ہوا نہیں آپ ہی لوگوں نے پکڑوالیا ہے۔ پیٹ بھر روٹی ملے تو شاید عاشق بھی ہو جاؤں۔"

"اے بکواس بند کرو مسٹر.... میں بدتمیزی پسند نہیں کرتی۔"

"اگر عاشقی بدتمیزی ہوتی تو نصابی کتابوں میں اس کا ذکر نہ ملتا۔ میر اور غالب بدتمیز کہلاتے۔"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"پاسبان عقل نے اس وقت دل کو تنہا چھوڑ دیا ہے۔"

"سچ کہہ رہی ہوں نوکروں کو بلا کر مرمت کرا دوں گی۔"

"ضرور بلاؤ.... لیکن ان کی ٹوٹ پھوٹ کی ذمہ داری بھی تم ہی پر ہو گی۔"

صبیحہ نے آگے بڑھ کر قفل میں کنجی لگائی.... دروازہ کھل گیا اور وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

"نکلو...."

"سارے شہر میں تم سے اپنے عشق کا اعلان کرتا پھروں گا۔" اجنبی نے دھمکی دی۔

"مجھے دھمکی دے رہے ہو؟" صبیحہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"مرتا کیا نہ کرتا مجھے رات بسر کرنے کے لئے جگہ اور پیٹ بھرنے کے لئے روٹی چاہئے۔"

"اچھا بابا.... بور مت کرو.... پھاٹک کی بائیں جانب مالی کی کوٹھری خالی ہے جا کر دبک رہو.... میں روٹی بھی پہنچاؤں گی۔ پیچھا چھوڑو کسی طرح....!"

"ہاں.... یہ ٹھیک ہے....!" اجنبی سر ہلا کر بولا۔

صبیحہ نے چپ چاپ اُسے اسٹور روم سے نکال کر بائیں باغ میں پہنچا دیا۔ وہ مستقل طور پر اُسی کے متعلق سوچے جارہی تھی۔ صورت سے احمق ضرور معلوم ہوتا ہے لیکن کسی اچھے ہی خاندان کا تعلیم یافتہ فرد ہے۔ بیچارے کا سامان ریلوے اسٹیشن پر پڑا ہوا ہے۔ اُسے اُس سے پوچھنا چاہئے کہ ٹکٹ کلکٹر کا مطالبہ کیا ہے اُسے اُس کی مدد کرنی چاہئے۔ خواہ مخواہ بیچارہ اُس کی ایک شرارت کا شکار ہو گیا۔ شریف آدمی معلوم ہوتا ہے۔ کوئی اور ہوتا تو پتہ نہیں کیا طوفان برپا کرتا۔

وہ سوچتی اور اس کے لئے کھانے پینے کی چیزیں تلاش کرتی رہی۔ بیگم صاحبہ اور بڑی بی اپنے اپنے کمروں میں بند ہو کر سو گئی تھیں اس لئے عمارت میں سناٹا تھا۔

وہ بہت احتیاط سے مالی کی کوٹھری کی طرف چل پڑی۔ سوچ رہی تھی کہ وہ پھر کچھ کہے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ آخر وہ وہاں سے چلی ہی آئی یہ اور بات ہے کہ مستقل طور پر اُسی کے متعلق سوچے جارہی ہو۔

شرارت کر بیٹھی تھی۔ لیکن حقیقتاً اتنی دلیر بھی نہیں تھی کہ انجام کی پرواہ نہ ہوتی۔ اُس سے کہیں زیادہ فکر تھی ماں اور نانی کے درمیان جھگڑے کی.... جو خاندانی زندگی کیلئے پریشان کن ہوتا۔ اَب اس وقت پوری عمارت میں سناٹا تھا اور وہ بستر پر لیٹی بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی۔



صفدر ٹرانسمیٹر پر آئے ہوئے پیغام کو جو کوڈ ورڈز میں تھا لفظ بلفظ درج کرتا رہا تھا اور اب اُسے اردو میں لکھ رہا تھا۔

قریب ہی ساجدہ حبیب بیٹھی اُسے اس طرح گھورے جارہی تھی جیسے اُس پیغام کا مفہوم

جاننے کے لئے بے تاب ہو۔

یہ دونوں ایک ہفتہ سے عادل آباد میں مقیم تھے۔ ساجدہ حبیب کی شکل کسی قدر بدلی ہوئی تھی۔ آسانی سے نہیں پہچانی جاسکتی تھی۔ اول تو اس نے اپنے بالوں کا اسٹائل بدل دیا تھا اور پھر پلاسٹک میک اپ کی مدد سے چہرے میں بھی کچھ تبدیلیاں کی گئی تھیں۔ صفدر میک اپ میں نہیں تھا۔

قیام ہوا تھا عادل آباد کے سب سے بڑے ہوٹل رود الو میں.... اُن کے کروں کے سامنے جوزف پہرہ دیا کرتا تھا۔

وہ یہاں ایکس ٹو کے حکم سے مقیم تھا۔ ساجدہ حبیب کے متعلق یہ معلوم کر کے کہ وہ بھی اُن کے ساتھ ہوگی صفدر نے اُس کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن تلخ لہجے میں جواب ملا تھا کہ اپنے کام سے کام رکھا جائے۔ پھر صفدر نے خود ساجدہ حبیب سے بھی پوچھنے کی ہمت نہیں کی تھی کہ وہ کون ہے اور اُن کے درمیان اُس کی موجودگی کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔

البتہ اُسے یہ ضرور معلوم تھا کہ عمران یہاں کچھ کرتا پھر رہا تھا اور اُسے براہِ راست اُسی کے احکامات کا پابند رہنا ہے۔ ساجدہ اُسے عمران کے متعلق بور کرتی رہتی۔ وہ کہاں ہے؟ کب آئے گا؟ اُس سے ملاقات کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔

وہ سیکرٹ سروس والوں کے چارج میں عمران ہی کے توسط سے پہنچی تھی.... اور عمران ہی کے سلسلے میں انہیں دردِ سر میں مبتلا کرتی رہتی تھی۔

"کیا عمران ہی کا پیغام ہے؟" اُس نے صفدر سے پوچھا۔

"نہیں....!" صفدر نے جواب دیا۔ حالانکہ وہ عمران ہی کا پیغام تھا اُس نے اُسے مطلع کیا تھا کہ حیرت انگیز طور پر اُسے ٹھیک اُسی کوٹھی کے سامنے والی عمارت میں رہنے کی جگہ مل گئی ہے جس کی نگرانی کا حکم ایکس ٹو سے ملا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب میں کیا کروں....؟" ساجدہ نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"کس سلسلے میں۔"

"میں کب تک اس طرح زندگی بسر کرتی رہوں گی۔"

"میں جب پوری طرح تمہارے حالات سے باخبر ہی نہیں تو کیا جواب دے سکوں گا اس سوال کا۔"

"عمران نے تمہیں کچھ نہیں بتایا....؟"

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہمیں تمہیں اُن لوگوں سے محفوظ رکھنا ہے۔"

"کب ختم ہوگا یہ قصہ....!"

قبل اس کے کہ صفدر کچھ کہتا جوزف کی غراہٹ سنائی دی۔

"یہ کم بخت بھی مصیبت بن جاتا ہے۔" صفدر بڑبڑاتا ہوا اٹھا اور دروازہ کھول کر کاریڈور میں نکل آیا۔

جوزف خواہ مخواہ کسی بپھرے ہوئے کتے کی طرح غرا رہا تھا۔ صفدر نے متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھا۔ آس پاس کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ آخر اُس نے جھنجھلا کر کہا۔ "کیا دماغ خراب ہوگیا ہے۔"

جوزف نے ہاتھ اٹھا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بدستور غراتا رہا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی اُس کے سامنے موجود ہو۔

"کیا بہت زیادہ پی لی ہے؟"

جوزف نے پھر اُسی طرح ہاتھ اٹھا دیا اور غراتا رہا۔

صفدر مضبوطی سے دانت پر دانت جمائے اُسے گھورے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد جوزف نے غراتے ہوئے کہا۔ "مسمراتا کی ماں مر گئی۔" اور خاموش ہوگیا۔

"یہ کیا حرکت تھی۔ تماشا بناؤ گے ہمیں بھی۔"

"آج ہفتہ ہے....!" جوزف نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ضرور چڑھ گئی ہے۔"

"نہیں مسٹر.... یہ ہفتہ ہے.... اور رات کے ڈیڑھ بجے ہیں۔"

"بارہ بجے کے بعد سے اتوار شروع ہو جاتا ہے۔ مگر یہ کیا لغویت تھی۔"

"لغویت نہیں تھی مسٹر.... آپ کے لئے اتوار شروع ہوگیا ہوگا میرے لئے تو جب تک دوبارہ سورج نہ نکل آئے ہفتہ ہی رہے گا۔ ہفتہ کی رات مسمراتا کی حکومت ہوتی ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ.... کرسچین ہو جانے کے باوجود بھی تم توہمات سے پیچھا نہیں چھڑا سکے۔"

"آسمانی باپ سب کو معاف کر دیتا ہے۔" جوزف نے انگلیوں سے کراس بنا کر کہا۔ "لیکن

مسمر اٹا....!"

"سب بکواس ہے؟"

"نہیں مسٹر.... وہ اُس وقت تک تم پر حاوی ہو جانے کی کوشش کرتا رہے گا جب تک کہ تم کتوں کی طرح غرا کر اُس کی ماں کی موت کی اطلاع نہ دو گے۔"

"تو وہ تم پر حاوی نہ ہو سکا۔" صفدر نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہر گز نہیں۔" جوزف نے پھر انگلیوں سے کراس بنایا۔ "لیکن میرے باس پر حاوی ہو چکا ہے۔"

"باس پر.... کیا مطلب۔"

"وہ آج کل دن رات خوبصورت لڑکیوں کی تصویریں دیکھتے رہتے ہیں۔"

"میرے لئے نئی اطلاع ہے۔"

"میں نے کئی بار سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ نہیں سنتے۔" جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے اس وقت سے گہرا صدمہ پہنچا ہو۔

"تم نے کیوں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔"

"مسٹر....!" جوزف کی آواز میں تحیر تھا۔ "اگر تمہارا باپ خوبصورت لڑکیوں کے چکر میں پڑ جائے تو تمہارے کیا جذبات ہوں گے۔"

"تو عمران صاحب تمہارے باپ ہیں....؟ یہ نئی بات معلوم ہوئی آج۔"

"وہ میرے باپ کے بھی باپ ہیں۔"

"جوزف اَب تم جا کر سو جاؤ۔" صفدر نے ترحم آمیز لہجے میں کہا۔ "واقعی بہت زیادہ پی گئے ہو۔"

"نشہ کہاں ہوتا ہے مسٹر.... چاہے جتنی پی جاؤں.... ہاں میں اپنے باس کی بات کر رہا ہوں۔ جتنی شفقت مجھے اُن سے ملی ہے اپنی ماں سے بھی نہیں ملی تھی۔ سچ کہتا ہوں اُن کی عدم موجودگی میں کسی چھ ماہ کے بچے کی طرح بلکتا رہتا ہوں۔"

"اُو خدا کے بندے اب جا کر سو بھی رہ۔" صفدر نے کہا اور کمرے میں چلا آیا۔

ساجدہ صوفے کے ہتھے سے داہنا شانہ ٹکائے اونگھ رہی تھی اُس کی آہٹ پر چونک پڑی۔

"یہ عمران ایسی زندگی کیوں بسر کرتا ہے۔" اُس نے صفدر سے پوچھا۔

صفدر جھنجھلا گیا۔

"انہیں سے پوچھ لیا ہوتا.... میں کیا بتا سکوں گا۔"

"میں نے اس حبشی سے بھی پوچھا تھا۔"

"پھر کیا بتایا اُس نے۔"

"کچھ نہیں.... سڑے سڑے سے منہ بناتا رہا تھا۔"

"وہ قطعی پسند نہیں کرتا کہ کوئی عورت اُس کے پاس کے قریب بھی آئے۔"

"کوئی آنے ہی کیوں لگی۔" ساجدہ نے تلخ لہجے میں کہا۔

"یہ نہ کہو.... نہ جانے کتنی آئیں اور تھک ہار کر واپس چلی گئیں۔ تم نے اُس لڑکی جولیانا فٹنر واٹر کو دیکھا ہی ہے....!"

"ہاں.... تو پھر....؟"

"وہ عمران کے لئے جان بھی دے سکتی ہے۔"

"اونہہ ہوگا.... مجھے کیا.... لیکن میرا مستقبل....!"

صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ سگریٹ سلگا رہا تھا۔

دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی۔ صفدر نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

سامنے ایک یوریشین لڑکی کھڑی نظر آئی۔ جوزف کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ورنہ اُس کی موجودگی میں وہ دستک کیسے دے سکتی۔ اُسے دروازے کے قریب آنے ہی نہ دیتا۔

"میں یہ اطلاع دینے آئی ہوں۔" اُس نے بڑھ کر ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارا باڈی گارڈ لاؤنج میں بیٹھا دھاڑیں مار مار کر رو رہا ہے۔"

"کیا....؟" صفدر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"خود جا کر دیکھ لو....!" اُس نے کہا اور مسکراتی ہوئی دوسری طرف مڑ گئی۔

صفدر بھنایا ہوا کمرے میں آیا اور کوٹ پہن کر پھر باہر جانے والا ہی تھا کہ ساجدہ بول پڑی۔

"کہاں چلے.... میں تنہا نہیں رہوں گی۔"

"بیکار باتیں مت کرو۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔ "لاؤنج تک جا رہا ہوں۔"

لاؤنج کی طرف جاتے وقت سوچ رہا تھا کہ آخر ایکس ٹو نے یہ دونوں بلائیں اُس کے گلے میں کیوں لگائی ہیں اس سے پہلے کبھی خود ایکس ٹو کی طرف سے جوزف کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا

تھا۔ اس بار کیوں اس نے باڈی گارڈ کے فرائض اس کے سپرد کیے تھے۔

لاؤنج میں پہنچ کر اُس نے جوزف کے گرد بھیڑ دیکھی جو فرش پر اکڑوں بیٹھا دہاڑیں مار مار کر رو رہا تھا اور ہوٹل کے منتظمین اُسے وہاں سے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

دفعتاً اسی بھیڑ سے کسی نے کہا۔ "اوہ اس کا باس بھی آ رہا ہے۔"

لوگ صفدر کی طرف متوجہ ہوگئے اور اُسے جوزف تک پہنچنے کے لئے راستہ بھی دیا۔

"جوزف.... جوزف....!" صفدر نے اُس کے شانے پکڑے اور اُسے بُری طرح جھنجھوڑتا رہا لیکن اُس کے رونے کی رفتار کم نہ ہوئی۔

"جناب عالی! اسے لیجایئے یہاں سے.... ورنہ ہوٹل کا ریپوٹیشن خاک میں مل جائے گا۔" ایک منتظم نے ہانپتے ہوئے کہا۔

صفدر نے جوزف کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھانے کی کوشش کی لیکن اُس نے اپنی ٹانگیں پھیلا دیں.... اور جب صفدر نے تھک ہار کر ہاتھ اُس کی بغلوں سے نکالے تو وہ فرش پر لمبا لمبا لیٹا ہوا تھا۔ دہاڑیں اب بھی جاری تھیں۔ کچھ کہے بغیر متواتر روئے جا رہا تھا۔

صفدر کو ایسا لگ رہا تھا جیسے سر بازار کسی نے کپڑے اتروا لئے ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس مشین کی کون سی کل دبائی جائے کہ اس کی "بھوں بھوں" رکے۔

آخر اس نے بے بسی سے کہا۔ "اُو.... جوزف.... تجھے مسمراٹا کھا جائے.... خاموش ہو جا ورنہ خوبصورت لڑکیوں کی جوتیاں تیرے سر پر منڈلائیں گی۔"

پھر سچ مچ ایسا ہی معلوم ہوا جیسے وہ کوئی چلتی ہوئی مشین ہی ہو جس میں یک بیک بریک لگ گئی ہو۔ وہ خوفزدہ انداز میں آنکھیں پھاڑے چھت کو گھورے جا رہا تھا اور دوسرے لوگ صفدر کو گھور رہے تھے کیونکہ اُس نے یہ چند الفاظ انگریزی ہی میں کہے تھے اور دوسرے سننے والوں نے بھی انہیں صاف سنا تھا۔

"اب اٹھ بھی۔" صفدر نے کہا۔ "ورنہ مسمراٹا۔"

"نہیں.... نہیں....!" جوزف بوکھلا کر اٹھتا ہوا بولا۔ "آج سینچر کی رات ہے ایسا نہ کہو مسٹر.... ہولی فادر....." اُس نے سینے پر کراس بناتے ہوئے کہا اور چپ چاپ اپنے کمرے کی طرف

پھر صفدر نے اُسی یوریشین لڑکی کی طرف دیکھا جس نے اس واقعے کی اطلاع صفدر کو دی تھی لڑکی اُس کے قریب آکر بولی۔ "تم نے اس سے جو کچھ کہا تھا اُس کا کیا مطلب تھا؟"

"مطلب....!" صفدر نے حیرت سے کہا۔ "افریقہ کے کالے جادو کا مطلب میں کیا بتا سکوں گا۔ ایک بندر نچانے والے سے اسے خریدا تھا۔ اُسی نے بتایا تھا یہ جادو کہ جب کوئی کل ٹیڑھی ہو جائے اسی منتر کے ذریعے سیدھی ہو سکے گی۔"

"ایسے بیوقوف آدمی کو باڈی گارڈ بنانے سے کیا فائدہ۔ میں نے اُسے پیتے بھی دیکھا ہے۔ بے تحاشہ پیتا ہے۔"

"چھ بوتلیں یومیہ۔" صفدر نے کہا۔ اب وہ اپنے کمروں کی طرف چل پڑا تھا اور لڑکی بھی اُس کے ساتھ ہی ساتھ چل رہی تھی۔

"چھ بوتلیں....!" اُس نے حیرت سے دہرایا۔ "آخر اس میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ تم اتنے اخراجات برداشت کرتے ہو۔"

"بڑے کام کا آدمی ہے۔" صفدر بولا۔ "ہنسنے کے مقام پر روتا ہے اور رونے کے مقام پر قہقہے لگاتا ہے۔"

"کیا تم کسی دیسی ریاست سے تعلق رکھتے ہو۔"

"ہاں.... میں رانا تہور علی صندوقی کا پرائیویٹ سیکریٹری ہوں۔"

"یہ رانا تہور علی کون ہے۔"

"بہت بڑا آدمی ہے۔ یہ جانور جسے ابھی تم دہاڑیں مارتے دیکھ چکی ہو اُسی نے پال رکھا ہے۔"

"رانا تہور علی کہاں ہے؟"

"پتہ نہیں.... سیلانی آدمی ہیں۔ کہیں نہ کہیں ضرور ہوں گے۔"

"مجھے بے حد شوق ہے کہ کسی دیسی ریاست کے شہزادے کی سیکریٹری بنوں۔"

صفدر نے چلتے چلتے رک کر اُسے غور سے دیکھا۔ وہ بھی رک گئی تھی۔

"اس طرح کیا دیکھ رہے ہو۔"

"میں دیکھ رہا ہوں کہ کہیں تم پہلے ہی سے تو اس موقعہ کی تاک میں نہیں تھیں۔"

"کیا مطلب؟"

"تم خواہ مخواہ مجھ سے گفتگو کے مواقع تلاش کرتی ہو۔" صفدر نے سخت لہجے میں کہا۔

"چلو یہی سہی۔" وہ بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔ "لیکن اسمیں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔"

"ہوں، تو تم ہماری اسٹیٹ کی ملازمت چاہتی ہو۔" صفدر نے پر تفکر لہجے میں کہا لیکن آواز میں سختی ابھی تک بر قرار تھی۔

"یقیناً چاہتی ہوں۔"

"فی الحال کیا کر رہی ہو۔"

"میں یہاں اس ہوٹل کے ٹیلی فون ایکسچینج پر بیٹھتی ہوں۔"

"کیا یہ ملازمت پسند نہیں۔"

"اگر آزاد روی پر اتر آؤں تو اُس سے زیادہ منفعت بخش اور کوئی دوسرا کام ہو ہی نہیں سکتا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں غور کروں گا۔"

"تو پھر میں صبح کو ملوں۔" یوریشین لڑکی نے پوچھا۔

"میں خود مل لوں گا۔" صفدر بھی کسی قدر لگاوٹ کے ساتھ مسکرایا۔ "تمہارے ڈیوٹی کے اوقات کیا ہیں۔ کیا نام ہے۔"

"ریٹا۔۔۔۔ ریٹا جبرائیل۔۔۔۔ میں یہیں رہتی ہوں۔ کمرہ نمبر ستائیس۔"

"ٹھیک ہے! میں سوچوں گا کہ تمہارے لئے کہاں جگہ نکالی جائے۔"

"صرف سیکریٹری شپ چاہتی ہوں۔" وہ انگلی اٹھا کر بولی۔

"اُوہو۔۔۔۔ تو تم میری جگہ لینا چاہتی ہو۔"

"تمہیں وہ کوئی دوسری جگہ دے دے گا۔ مردوں کے مرد سیکریٹری اچھے نہیں لگتے۔"

"خیر۔۔۔۔ خیر۔۔۔۔ دیکھا جائے گا۔" صفدر جماہی لے کر بولا۔ "اب مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"شب بخیر۔" وہ دوسری طرف مڑتی ہوئی بولی۔ "خیال رکھنا۔"

صفدر اپنے کمرے میں جانے سے پہلے جوزف کی طرف متوجہ ہوا۔ جو دروازے سے تین یا چار فٹ کے فاصلے پر پتھر کے کسی بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑا تھا۔

"کیا ہو گیا تھا تمہیں۔۔۔۔!" صفدر نے پوچھا۔

"میں تمہیں جوابدہ نہیں ہوں مسٹر۔" صرف اُس کے ہونٹوں نے جنبش کی۔

"کیا مطلب....؟"

"جو کچھ میں کر رہا ہوں باس کے حکم سے کر رہا ہوں... لیکن تم نے اس وقت اُس منحوس بدروح کا نام لے کر میرا نشہ اکھاڑ دیا ہے.... چھٹی بوتل میں صرف چوتھائی رہ گئی ہے۔ سوچتا ہوں صبح تک کیا ہوگا۔"

"عمران صاحب نے....!"

"خاموش رہو۔ کسی کا نام لینے کی ضرورت نہیں۔ ابھی وہ سفید چڑیل تم سے کیا باتیں کر رہی تھی۔"

"اوہو تو کیا میں تمہیں جوابدہ ہوں۔"

"نہیں لیکن ہوشیار رہنا.... سفید نسل کا خون جس میں بھی ہو اُس سے ہوشیار رہو۔ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔"

"مشورے کا شکریہ۔" صفدر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور کمرے سے چلا گیا۔



صبح ہوتے ہی صبیحہ پائیں باغ میں نکل آئی۔ ابھی صرف وہی ملازم بیدار ہوا تھا جس کے ذمے باورچی خانے کے انتظامات تھے لہٰذا وہ باورچی خانے میں مشغول تھا۔

وہ مالی کی کوٹھری کی طرف بڑھی۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ اس نے جھانک کر دیکھا چارپائی خالی نظر آئی اور اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ رات ہی نکل بھاگا ہوگا۔ اس نے سوچا.... اندر ملگجا سا اندھیرا تھا.... اُس نے دروازہ کچھ اور کھول کر چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر جی دھک سے ہو گیا۔ یہ چارپائی کے نیچے کون پڑا تھا جس کی ٹانگیں دوسری طرف نکلی ہوئی تھیں۔

دل شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا کہ کیا معاملہ ہے۔

وہ دروازہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئی۔ ابھی پچھلے ہی دنوں اُس نے ایک جاسوسی ناول پڑھا تھا جس میں ایک ایسے ہی اجنبی کی کہانی تھی۔ اجنبی نے کسی کے مکان میں رات بسر کرنے کی اجازت چاہی تھی۔ وہاں سویا بھی تھا اور جب دوسری صبح صاحب خانہ اُس کے کمرے میں گیا تو اس کی گردن دھڑ سے الگ پائی تھی۔ چاروں طرف خون پھیلا ہوا تھا۔

اسکی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ اگر کسی نے قتل کر دیا ہے تو اب کیا ہوگا۔ ملازمین

شہادت دیں گے کہ اُس کی ماں اور نانی نے اُسے پکڑوا کر بند کرا دیا تھا۔ انہیں اس کا علم تو نہیں ہے کہ اُس نے رات ہی اُسے اسٹور سے باہر نکال کر مالی کی کوٹھری میں پہنچا دیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خدا کے حضور گڑگڑانے لگی۔ سوچ رہی تھی کہ بزرگوں کو پریشان کرنے کی سزا ملی ہے اُسے!

پھر وہ اچھل پڑی کیونکہ مالی کی کوٹھری کا دروازہ آواز کے ساتھ کھلا تھا۔

"گڈ مارننگ....." اجنبی کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

"تم.... زندہ ہو.....!" صبیحہ اس کی طرف جھپٹی۔

"ابھی تک تو زندہ ہوں لیکن اگر دس منٹ کے اندر اندر ناشتہ نہ ملا تو یہیں ڈھیر ہو جاؤں گا۔"

"تو تم ہی چارپائی کے نیچے پڑے تھے۔"

"جی ہاں.... بالکل.... کیا کرتا.... میں نے سوچا جس کی چارپائی ہے اگر اُس نے آکر سوتے سے اٹھا دیا تو خواہ مخواہ کی بوریت ہوگی۔ لہٰذا کیوں نہ میں چارپائی کے نیچے ہی سو رہوں۔"

"اچھا اب چلتے پھرتے نظر آؤ۔" وہ اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"ناشتے کے بغیر ہی.... نہیں ایسا ظلم نہ کیجئے.... میری جیب نہ کٹ گئی ہوتی تو کبھی نہ کہتا مجھے خود ہی بھیک مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

"تم یقیناً کوئی بھکاری ہی ہو۔" صبیحہ دانت پیس کر بولی۔ "مجھے اب تم سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہیں رہ گئی تم نے ابھی مجھے ڈرا دیا تھا۔"

"میں نے.....!" اجنبی نے حیرت سے کہا۔ "کب.....؟"

"جب تم چارپائی کے نیچے اوندھے پڑے ہوئے تھے میں سمجھی شاید کسی نے تمہیں قتل کر دیا ہے۔"

نوجوان بوکھلا کر اپنی گردن ٹٹولنے لگا۔ پھر پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔ "کیوں ڈرا رہی ہیں مجھے۔"

"بس چلے جاؤ یہاں سے۔"

"کہاں جاؤں؟" اس نے بے بسی سے کہا۔ "سامان اگر مل بھی گیا تو واپسی کا کرایہ نہیں ہے۔"

"اب ایک پائی بھی نہ دوں گی سمجھے.....؟"

"جی سمجھ گیا۔"

"تو پھر جاؤ۔"

"یا اللہ میں کہاں جاؤں۔" وہ اپنی پیشانی پر دوہتھڑ مار کر بلبلایا۔ "ارے میں موٹر ڈرائیوری بھی کر سکتا ہوں.... صرف ڈی ایس سی آکسن ہی نہیں ہوں۔"

"کیا.... کیا.... ڈی ایس سی آکسن.... تم....!"

"ہاں.... میں نے فزکس میں ریسرچ کی تھی۔"

"جناب نے....!" وہ اُس کے چہرے کے قریب ہاتھ لے جا کر بولی۔

"ب.... بالکل بالکل....!"

"میٹرک تک فزکس پڑھ لی ہو گی۔"

"خدا غارت کرے مجھے۔" وہ غصہ سے اپنا سر پیٹ کر بولا۔ "کیسے لوگوں میں آپھنسا ہوں۔"

"تم کوئی بہت بڑے فراڈ ہو۔"

"مجھے کب انکار ہے اِس سے..... لیکن میٹرک ویٹرک کی بات تو نہ کرو۔"

"تمہیں اعتراف ہے کہ تم فراڈ ہو۔"

"بالکل ہے۔ بھوک لگی ہو تو سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ میری بات سنو میں دنیا میں صرف تین کام کر سکتا ہوں۔ سائنس کی پروفیسری یا موٹر ڈرائیوری.... یا پھر بھیک مانگ کر گزارا کر سکتا ہوں۔"

"تو یہاں تم پروفیسری کی تلاش میں آئے تھے یا موٹر ڈرائیوری کی....؟"

"کسی کے لئے بھی آیا ہوں لیکن اب تو بھیک مانگتا پھر رہا ہوں۔"

"وہ بھی نہیں ملے گی۔ اَب چلے ہی جاؤ ورنہ نوکروں کو بلاتی ہوں۔"

"چلا جاؤں گا.... لیکن جاؤں کہاں۔"

"تلاش کرو جا کر اپنے چودھری عبداللطیف کو۔"

"کوئی تدبیر بتایئے ایسی کہ اُس تک پہنچ سکوں۔"

"سر کے بل کھڑے ہو کر سوچو شاید یاد آجائے۔"

"جی بہت اچھا۔" بڑی سادگی سے کہا گیا۔

اور پھر صبیحہ نے دیکھا وہ پھرتی سے سر کے بل کھڑا ہو گیا ہے۔

"ارے ارے.... یہ کیا حرکت۔" صبیحہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

اتنا اجالا تو پھیل ہی چکا تھا کہ اُس کی یہ حرکت دور سے بھی دیکھی جا سکتی۔

"آپ ہی نے تو کہا تھا۔" اجنبی نے اسی طرح سر کے بل کھڑے ہوئے کہا۔

"تم بھکاری ہی نہیں مداری بھی ہو۔" صبیحہ دانت پیس کر بولی۔ "سیدھے ہو جاؤ ورنہ اب میں ہی تم پر پتھراؤ شروع کر دوں گی۔"

"ارے.... بپ.... باپ رے۔" وہ سیدھا ہوتا ہوا بولا۔ چند لمحے صبیحہ کو گھورتے رہا پھر بولا۔ "اب مجھے بھی غصہ آجائے گا۔"

"تو کیا بگاڑ لو گے تم میرا۔"

"چیختا پھروں گا سارے شہر میں کہ میں اختر ہوں۔ ڈپٹی صاحب کی قرۃ العین صبیحہ نے خط لکھ کر مجھے بلوایا تھا۔ رات بھر اسٹور میں بند رکھا اور اب ٹھوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دیا ہے.... دو اللہ کے نام پر۔"

"اگر تم نے مجھے بدنام کرنے کی کوشش کی تو جہنم میں پہنچا دیئے جاؤ گے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔"

"میں کہتی ہوں چلے جاؤ یہاں سے۔"

"میں کہتا ہوں ناشتہ کراؤ.... نہیں تو یہیں کھڑے ہو کر چیخنا شروع کر دوں گا کہ اسٹور روم سے نکال کر اس کوٹھڑی میں بند رکھا تھا۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔"

"عجیب ترین کہو۔ موٹر ڈرائیوری ہی دلوا دو کہیں۔ ایسے ایسے کرتب دکھاؤں گا کہ جی خوش ہو جائے گا۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"فی الحال ناشتہ اور اس کے بعد نوکری۔ لیکن نوکری بغیر انٹرویو.... ورنہ ہرگز نہ ملے گی۔ پچھلے مہینے ایک جگہ انٹرویو میں گیا۔ وہاں ایک کاٹھ کا گھوڑا رکھا ہوا تھا جس پر بیٹھ کر بچے جھولتے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا یہ کیا ہے میں نے کہا کاٹھ کا گھوڑا۔ انہوں نے پھر پوچھا اگر اس پر کوئی معمر آدمی بیٹھا ہوا نظر آئے تو تم پر اس کا کیا رد عمل ہوگا۔ میں نے کہا پہلے یہ بتائیے رد عمل کسے کہتے ہیں۔ بولے ری ایکشن کو۔ میں نے کہا میں انہیں اس حال میں دیکھ کر کاٹھ کا الو سمجھوں گا۔ چلو انٹرویو تو وہیں کا وہیں ختم ہو گیا اور میں پچھلی رات تک پروانہ تقرر کا انتظار کرتا

رہا ہوں۔"

"قیامت تک کرتے رہو گے۔ تم خود ہی کوئی جیب کترے معلوم ہوتے ہو۔ خواہ مخواہ جیب کٹ جانے کی کہانی لے بیٹھے۔"

"اجالا پھیل گیا ہے۔" اجنبی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "اگر کسی نے مجھے اسٹور روم کی بجائے یہاں دیکھ لیا تو تمہاری کیا پوزیشن ہو گی.... اچھا ٹاٹا۔ اُس نے پھرتی سے کوٹھری میں گھس کر اندر سے کنڈی چڑھا دی۔

صبیحہ دانت پیستی رہ گئی۔ شدت سے غصہ آ رہا تھا اس چکنے گھڑے پر۔ کوئی حیادار آدمی ہوتا تو ایسی باتیں اُسے لڑ مرنے پر اُکساتیں۔ لیکن یہاں تو اس طرح ان کی پذیرائی ہوئی تھی جیسے کان پر چلنے والی چیونٹی جھاڑ دی گئی ہو۔

پھر اب وہ کیا کرے۔ کس طرح اس بلا سے پیچھا چھڑائے۔ اُس نے بھی یہ بات بڑے پتے کی کہی تھی کہ اگر وہ اسٹور روم کی بجائے وہاں پایا گیا تو خود صبیحہ کا کیا حشر ہو گا۔

وہ جھلا کر دروازہ پیٹنے لگی اور وہ اندر سے بولا۔ "میں تمہارے پاپا کے آنے تک یہیں بند رہوں گا۔"

"اے موذی.... خبیث نکلو باہر ورنہ....!" وہ دانت پیس پیس کر بولی۔

"شائے لاؤ۔" اندر سے آواز آئی۔

"خدا غارت کرے تمہیں سور کمینے۔"

"چلو یہی دعا مانگو! میں بھی اس دکھ بھری زندگی سے نجات کا خواہاں ہوں۔"

"مرو گے.... اللہ نے چاہا تو اُیڑیاں رگڑ رگڑ کر مرو گے۔"

"تھوڑی دیر اور ناشتہ نہ ملا تو تمہاری بددعاؤں کے بغیر ہی یہ سب کچھ ہو جائے گا۔"

صبیحہ نے سوچا اس موذی کو اب مزہ ہی چکھانا چاہئے.... تنتناتی ہوئی سیدھی باورچی خانے کی طرف آئی.... یہاں ملازم چائے تیار کر چکا تھا۔ کچھ سینڈوچ بھی بنا لئے تھے.... ساتھ ہی بڑی بی کے لئے دلیا بھی تیار کر رکھا تھا۔

اُس نے اُس سے کہا کہ تھرماس میں چائے بھر دے اور کچھ سینڈوچ بھی پیک کر دے وہ باہر جائے گی۔

پھر اُس نے گیراج سے گاڑی نکالی.... اور ناشتے کا سامان لینے پھر باورچی خانے میں آئی۔ باورچی نے ناشتے کی جھابی تیار کردی تھی۔

صبیحہ سوچ رہی تھی کہ آج اس کمبخت کو سارادن بھوکا مارا جائے۔ کیوں نہ وہ مالی کی کوٹھری کو باہر سے مقفل کردے۔ شاید ہی کوئی ادھر دھیان دیتا ہو۔ دروازے میں قفل دیکھ کر کسی کو بھی اس نئی تبدیلی کا احساس نہ ہوگا۔ وہ شور تو مچانے سے رہا۔ چوں بھی کی تو حجامت بن جائے گی۔ اتنا بھی احمق نہ ہوگا کہ اتنی موٹی سی بات سمجھ میں نہ آسکے۔

بہر حال اُس نے مالی کی کوٹھری مقفل کردی۔ جلدی میں تھی۔ اکثر صبح کا ناشتہ شہر سے باہر کسی ویرانے میں کرتی تھی۔ ایسے مواقع پر کار خود ہی ڈرائیو کرتی تھی۔ ویسے بھی آج کل کوئی ڈرائیور نہیں تھا۔ ڈپٹی صاحب کو ڈرائیور کی تلاش تھی لیکن ابھی تک کوئی معقول آدمی نہیں ملا تھا۔ بہت آزاد خیال تھے لیکن نہ جانے کیوں ڈرائیور کے لئے بوڑھے آدمی کی تلاش تھی۔ صبیحہ نے کئی بار اس مسئلہ پر اُن سے بحث بھی کرنی چاہی تھی لیکن وہ اِدھر اُدھر کی باتوں میں اُڑا جاتے۔

افق کی گہری سرخی میں چمکیلا پن آچلا تھا اور صبیحہ کی کار ویرانوں کی طرف اڑی جارہی تھی۔ عادل آباد بہت بڑا شہر نہیں تھا۔ میل ڈیڑھ میل کے بعد ہی سے ہرے بھرے کھیتوں کے سلسلے شروع ہوگئے تھے۔

دفعتاً عقب نما آئینے میں سرخ رنگ کی ایک اسپورٹ کار نظر آئی اور اُسے یکلخت غصہ آگیا۔

''سور کا بچہ.....!'' وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑائی۔

وہ جب بھی اس طرح تنہا گاڑی لے کر باہر نکلتی وہ ''مردود'' تعاقب شروع کردیتا تھا۔ لیکن آج تک چھیڑ چھاڑ نہیں کی تھی۔ جہاں وہ ٹھہر کر ناشتہ کرتی اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر وہ بھی اپنی کار روک دیتا یا تو خود بھی ناشتہ کرتا یا سگار سلگا کر بیٹھا رہتا۔

اس سے ڈپٹی صاحب بھی خائف رہتے تھے لہٰذا وہ ان ہی سے شکایت کر کے اُس کا کیا بگاڑ لیتی۔ ڈپٹی صاحب بھی اُس سے اس لئے ڈرتے تھے کہ وہ ڈویژن کے کمشنر کا سالا تھا۔

عین اُن کے بنگلے کے سامنے والی کوٹھی میں رہتا تھا وہاں عورتیں نہیں تھیں۔ لیکن کبھی کبھی نظر ضرور آتی تھیں۔ ہر بار نئی نئی شکلیں۔

بھدا سا آدمی تھا۔ البتہ اعضاء مضبوط تھے۔ بس ایسا لگتا تھا جیسے کسی بنئے کو پہلوانی کا شوق چرایا ہو۔

آج بھی اُس نے کچھ آگے بڑھ کر اپنی اسپورٹ کار روکی تھی۔ صبیحہ گاڑی سے باہر نہ نکلی۔ وہ اُس سے خائف نہیں تھی۔ اُس کی بجائے کوئی اور لڑکی ہوتی تو ایک آدھ بار کے تعاقب کے بعد ہی سے اِدھر آنا چھوڑ دیتی لیکن صبیحہ نے اپنی روش نہیں بدلی تھی۔ اب تو اُسے ضد ہو گئی تھی۔ چاہتی تھی کہ کبھی وہ کچھ بولے اور وہ اس کی گردن دبوچ بیٹھے۔ اُس نے سوچا آج گاڑی سے باہر نہ نکلے گی۔ شاید اسی پر وہ کچھ کہے۔ صبیحہ کو اس کی بھی پرواہ نہیں تھی کہ یہاں اس ویرانے میں اُن دونوں کے علاوہ دور دور تک کسی تیسرے وجود کا پتہ نہیں اگر اُس نے کچھ شروع ہی کر دیا تو کیا ہو گا۔

دفعتاً اُس نے دیکھا کہ وہ اپنی گاڑی بیک کر کے اسی طرف لا رہا تھا۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے وہ اُس کی اسپورٹ کار کو گھورتی رہی۔ پھر اُس کی گاڑی اُس کے برابر ہی آ لگی.... اور صبیحہ کا جی دھک سے ہو گیا۔ ایک بہت بڑا چاقو اُس کی گود میں کھلا پڑا تھا۔

اب اُسے احساس ہوا کہ وہ زبردست غلطی کرتی رہی ہے اب اگر اس ویرانے میں وہ کچھ شروع کر دے تو اُس کا کیا بگاڑ سکے گی.... اُس نے اس طرف کبھی دھیان ہی نہیں دیا تھا۔

اُسے خود پر غصہ آنے لگا۔ آخر اُس نے اس ضد بندی کے سلسلے میں اس پہلو پر غور کیوں نہیں کیا تھا۔ وہ کیا بگاڑ سکے گی اُس کا۔ جسمانی قوت اُس سے زیادہ تو رکھتی نہیں.... شاید ان دنوں ستارے ہی گردش میں تھے۔ ہر معاملے میں منہ کی کھانی پڑ رہی تھی۔

اُس نے گاڑی اُس کی گاڑی کے برابر روک کر انجن بند کر دیا اُس کی طرف مڑا.... اور صبیحہ نے اُس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔ اَدھ کھلی آنکھوں کے سائے میں وہ مسکراہٹ کتنی خوفناک تھی۔ لیکن صبیحہ بھی جی کڑا کر کے اس کی طرف دیکھے ہی جا رہی تھی۔ کبھی کبھی اُس چاقو کی طرف بھی دیکھتی جو اُس کی گود میں پڑا چمک رہا تھا۔

دفعتاً اُس نے صبیحہ کے چہرے سے نظر ہٹائی اور اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر رکھی ہوئی جھابی سے ایک سینڈوچ نکالا اور خاموشی سے کھانے لگا۔

صبیحہ بھی چونکی.... زندگی میں شاید پہلی بار وہ اتنی خوفزدہ ہوئی تھی اور اس نے اسٹارٹر کی طرف ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ اسپورٹ کار سے آواز آئی۔ "اسے بھی دیکھ لو۔"

صبیحہ نے بوکھلا کر دیکھا.... اُس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا بڑا سا ریوالور نظر آیا۔

"چاروں پہیے.... بیکار کر دوں گا.... ذرا آگے بڑھ کر تو دیکھو....!"

لعنت ہے ایسی ضدی طبیعت پر۔ اُس نے دل ہی دل میں لرزتے ہوئے سوچا۔ اب بھلا اِس میں ضد بندی کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اُس نے ایک آدھ بار تعاقب کیا تھا تو ادھر آنا ہی چھوڑ دیتی.... ایسا نہ کرتی تو زندگی کے معمولات میں کیا فرق پڑتا۔

پچھلی رات اختر کے معاملے میں پریشان ہو چکی تھی تو صبح محتاط ہی رہنا چاہئے تھا لیکن یہ دوسری حماقت سرزد ہو ہی گئی۔

وہ ایک ٹک اُس خوفناک ریوالور کو دیکھے جا رہی تھی کہ دفعتاً پشت سے ایک ہاتھ ریوالور پر پڑا اور ساتھ ہی ریوالور والے کے سر پر ایک میلا سا کپڑا بھی۔

اُس نے یہ بھی دیکھا کہ ریوالور اچھل کر گاڑی کے نیچے آگرا ہے.... ایک تیسرا آدمی اس نامعقول آدمی کو دبوچے ہوئے تھا۔ وہ اُس کی صورت نہ دیکھ سکی کیونکہ پشت اسی کی طرف تھی پھر جب وہ اس کی طرف مڑا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں.... یہ تو وہی پچھلی رات والا لفنگا تھا جسے وہ مالی کی کوٹھری میں بند کر کے قفل لگا آئی تھی۔ اُس نے جھک کر ریوالور اٹھالیا اور اُسے تعاقب کرنے والے کی گردن سے لگائے کہہ رہا تھا۔ "دوسری طرف گھوم جاؤ اگر ادھر مڑے تو گولی مار دوں گا۔"

دوسرے ہاتھ سے اس نے اس کی گود میں پڑا ہوا چاقو بھی اٹھالیا تھا۔

صبیحہ نے دیکھا کہ اُس نے وہی میلا کپڑا جو اس نے اس کے سر پر ڈالا تھا گردن میں اس طرح باندھ دیا ہے کہ سر اور چہرہ چھپ کر رہ گئے ہیں۔

"اب کراؤ ناشتہ....!" اُس نے صبیحہ کی طرف مڑ کر کہا۔

اور وہ بے ساختہ ہنس پڑی.... اجنبی نے بھی احمقانہ انداز میں دانت نکال دیئے۔

"تم یہاں کیسے پہنچ گئے۔" اُس نے اپنی گاڑی سے اترتے ہوئے پوچھا۔

لیکن احمق نے بائیں آنکھ دبا کر اُسے اس مسئلے پر کچھ کہنے سے باز رہنے کا اشارہ کیا۔

صبیحہ سچ مچ کھلی پڑ رہی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس اجنبی کو عرصہ سے جانتی ہو۔

اجنبی نے ریوالور اور چاقو صبیحہ کی گاڑی میں ڈال دیئے اور تعاقب کرنے والے کے سر پر سے وہ کپڑا بھی کھینچ لیا۔ لیکن اجنبی دوسری ہی جانب مڑا بیٹھا رہا۔

"اب تم اِدھر دیکھ سکتے ہو۔" اجنبی نے احمقانہ انداز میں خوش ہو کر کہا۔

وہ اُس کی طرف مڑا اور اُس کے ہاتھ میں ریوالور نہ دیکھ کر شیر ہو گیا۔ گاڑی میں بیٹھے ہی بیٹھے ٹیک لگا کر چھلانگ لگائی اور اجنبی پر جھپٹ پڑا۔ صبیحہ ڈری ڈری سی آوازیں نکالتی ہوئی ایک طرف ہٹ گئی۔ تعاقب کرنے والا اس کی دانست میں اس احمق نوجوان سے کہیں زیادہ مضبوط اور طاقتور تھا.... دونوں الجھے ہوئے زمین پر آئے.... پھر صبیحہ نے دیکھا کہ احمق تڑپ کر اُس کی گرفت سے نکل گیا ہے۔

اس کے بعد اس نے اُسے بھی زمین سے اٹھ جانے کی مہلت نہیں دی۔ بس ٹھوکروں پر رکھ لیا تھا اور تعاقب کرنے والا کسی بے بس بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا بار بار اپنی پوزیشن تبدیل کئے جا رہا تھا۔ لیکن شاید ہی اجنبی کی کوئی ٹھوکر خالی گئی ہو.... اور ہر ٹھوکر پر اُس کے چہرے پر کچھ ایسے ہی تاثرات نظر آتے جیسے وہ اُسے ٹھوکر مار کر پچھتا رہا ہو۔ بے حد شرمندہ ہو اپنی اس حرکت پر جو مشینی طور پر متواتر سرزد ہوتی چلی جا رہی ہو.... مار کھانے والے کی پیشانی سے خون بہہ بہہ کر پورے چہرے پر پھیل رہا تھا اور وہ بار بار اپنی آنکھیں صاف کرتا تھا۔

"بس کرو.... اب بس کرو۔" صبیحہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"چلو بس ہو گئی۔" اجنبی پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

پٹنے والا اوندھے منہ پڑا تھا۔

وہ دونوں خاموشی سے اُسے دیکھتے رہے۔ خون دیکھ کر صبیحہ پہلے سے بھی زیادہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کہنا یا کرنا چاہئے۔

دفعتاً اجنبی روہانسی آواز میں بولا۔ "ارے اس ورزش کی وجہ سے تو بھوک اور زیادہ چمک اٹھی ہے۔"

صبیحہ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ناشتے کی جھابی پچھلی سیٹ سے اٹھائی اور اس کی طرف خاموشی سے بڑھا دی۔ اُس نے بیک وقت دو تین سینڈوچ نکال لئے اور ایک سینڈوچ پر منہ مارتا ہوا زخمی آدمی کو پُر تشویش نظروں سے دیکھتا رہا۔

صبیحہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر خود اُسے دیکھ رہی تھی۔ آخر کس قسم کا آدمی ہے۔ کوئی اور ہوتا تو سینڈوچ کھانے کی بجائے یہاں سے چپ چاپ کھسک جانے کی فکر کرتا کیونکہ پٹنے والا بہت زیادہ زخمی بھی ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ منہ چلاتے چلاتے رک کر اُس سے بولا۔"ہوش میں آنے کا انتظار کرو گی یا چلتے پھرتے نظر آئیں۔"

"میں کہتی ہوں اب بھاگو یہاں سے۔اگر کوئی آگیا تو.... یہ کمشنر کا سالا ہے۔"

"تبھی اتنا کالا ہے۔" وہ سر ہلا کر بولا۔

"جلدی سے گاڑی پر بیٹھ جاؤ۔"

"اسے یہیں چھوڑ جاؤ گی۔"

"نہیں تو پھر کیا خود ہی ہسپتال پہنچائیں گے۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔"چلو جلدی کرو۔"

"ٹھہرو...." اجنبی نے اسپورٹ کار کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

بونٹ اٹھا کر کچھ دیر تک انجن پر جھکا رہا۔ پھر بونٹ گرا کر صبیحہ کی گاڑی کی طرف آیا۔ ریوالور اور چاقو پچھلی سیٹ پر پڑے تھے انہیں اٹھا کر رومال سے صاف کیا اور زخمی کی گاڑی میں ڈال کر پھر پلٹ آیا.... اس بار وہ سیدھا صبیحہ کی گاڑی کے اسٹیئرنگ پر جا بیٹھا تھا۔

"کیا مطلب؟" صبیحہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔"تم ڈرائیو کرو گے۔"

"بالکل.... یہ بھی دیکھ لو کہ ڈرائیور کیسا ہوں۔"

صبیحہ چپ چاپ پچھلی سیٹ پر جا بیٹھی.... وہ سوچ رہی تھی شائد وہ اُسے اپنے قریب بیٹھنے کو کہے لیکن ایسا نہیں ہوا۔

"کہاں چلوں....!" اجنبی نے پوچھا۔

"میں تو کہہ رہی تھی کہ.... یہ یہاں....!"

"اُسے چھوڑو.... ہوش آگیا تو اس کی قسمت.... نہ آیا تو گیدڑ سمجھ بوجھ لیں گے آخر انہیں بھی تو بھوک لگتی ہی ہے۔"

"یہ.... یہ.... دراصل.... ڈویژنل کمشنر کا سالا ہے۔"

"پوری سسرال کا کمشنر ہو میری بلا سے۔"

"تم سنو تو سہی۔"

"سناؤ....!" اجنبی جھلائے ہوئے انداز میں پلٹ پڑا۔

"ہمارے بنگلے کے سامنے رہتا ہے۔"

"اچھا تو پھر.....!"

"تم سمجھتے کیوں نہیں۔ میرے والد ڈپٹی کلکٹر ہیں۔"

"بہت سی لڑکیوں کے والد ڈپٹی کلکٹر ہوں گے پھر میں کیا کروں؟"

"مطلب یہ کہ وہ ڈویژنل کمشنر کے ماتحت ہیں.... اور یہ اُن کا سالا۔"

"ہو گا سالا.....!"

"اچھا چلو.....!" وہ مُردہ سی آواز میں بولی۔ ساری شیخی اور شوخی دھری رہ گئی تھی۔ اب تو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے اُس اجنبی کی غلامی کرتی چلی آئی ہو۔ گاڑی چل پڑی اور صبیحہ نے کچھ دیر بعد اُسے مخاطب کیا۔

"میں تو کوٹھری کو مقفل کر آئی تھی۔"

"اب بھی مقفل ہی ہو گی۔"

"کیا مطلب.....؟"

"میں کیا جانوں.... کیا مطلب.....!"

"ارے تم کوٹھری سے نکلے کیسے تھے۔"

"جب تم گاڑی گیراج سے نکال کر اندر چلی گئی تھیں تو میں باہر نکلا تھا۔ ڈکے اٹھائی تھی اور اندر.....ڈکے ہمیشہ مقفل رہنی چاہئے۔"

"اوہ.... تو میں نے کوٹھری میں اس وقت قفل لگایا تھا جب تم اندر نہیں تھے۔"

"یہی بات رہی ہو گی۔"

"تم نے ابھی تک مجھ سے اُس آدمی کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔"

"کیا ضرورت ہے۔ مجھے تو نوکری چاہئے۔ ڈرائیوری ہی سہی.... ورنہ میرے ہونے والے سالے تو مجھے ذبح ہی کر ڈالیں گے۔"

"مگر تم میرے یہاں کیسے ڈرائیوری کر سکو گے۔ تمہیں تو سب جانتے ہیں۔"

"مجھے کوئی نہیں پہچانتا.....!" اجنبی نے عقب نما آئینے کی پوزیشن کسی قدر بدلتے ہوئے کہا۔ صبیحہ کی نظر آئینے پر پڑی اور وہ دم بخود رہ گئی۔

یہ کون ہے؟ آئینے میں کس کی شکل نظر آ رہی ہے۔ وہ اجنبی تو نہیں ہو سکتا ہے پچھلی رات

اسٹور روم میں بند کر دیا گیا تھا یا ابھی کچھ دیر پہلے جس نے اُسے اُس موذی سے نجات دلائی تھی۔
وہ تو بڑا خوبرو تھا.... یہ کون ہے.... پھولی ہوئی ناک والا.... گھنی مونچھیں خم کھا کر نچلے ہونٹ کو بھی پار کر چکی تھیں۔

"مجھے پہچانا....؟" اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"مم.... تم.... یعنی کہ....!"

"نہیں پہچانا.... جب تم نہیں پہچان سکیں تو دوسرے کیا پہچانیں گے۔"

"تم کون ہو....!" صبیحہ پر دوسری بار خوف مسلط ہو گیا۔

"میں وہی اختر ہوں جس نے رات چارپائی کے نیچے گذاری تھی۔"

"لیکن یہ ناک.... یہ مونچھیں۔"

"بھیک مانگنے کے لئے ایک آدھ شعبدہ جیب میں پڑا ہی رہتا ہے۔ تم نہ مل جاتیں اس طرح تو اسٹیشن سے سامان لانے کے لئے بھیک ہی تو مانگنی پڑتی۔ اس طرح آسانی ہوتی ایک گلی میں بھیک مانگی اور دوسری گلی میں اکڑتا پھرا.... ہٹ جانا بھئی اختر صاحب جا رہے ہیں۔"

"بہت تیز چلا رہے ہو گاڑی۔"

"فکر نہ کرو۔"

"تو تم اِس طرح بھیس بدل کر ہمارے یہاں ملازمت کرو گے۔"

"بالکل بالکل....!"

"اگر کبھی ممی کو شبہ ہو گیا تو۔"

"نہیں ہو گا.... ہو جائے تو میرے منہ پر تھوک دینا۔"

"میں سخت الجھن میں پڑ گئی ہوں۔"

"پڑی رہو۔" اُس نے لاپروائی سے کہا۔

"اس کے لئے نہیں۔" وہ جھنجھلا گئی۔ "میں تو اُس کے لئے کہہ رہی تھی جسے مار پیٹ آئے ہو۔ اگر مر گیا تو کیا ہو گا۔"

"مسلمان ہوا تو دفن کر دیا جائے گا۔ ہندو ہو گا تو شمشان کے حوالے۔"

"اوہ.... تم سمجھتے کیوں نہیں.... یہ بہت بُرا ہوا....؟"

"تو کیا وہ سب مذاق تھا.... وہ ریوالور.... وہ چاقو....!"

"پتہ نہیں کیا تھا۔" صبیحہ بُرا سامنہ بنا کر بولی۔

"کیا پہلے بھی تعاقب کرتا رہا ہے۔"

"میں جب بھی اس طرف نکلتی ہوں وہ ضرور تعاقب کرتا ہے۔"

"اُوہ.... تب تو ٹھیک ہے۔ تم خود ہی اُس کی حوصلہ افزائی کرتی رہی ہو۔"

"قطعی غلط.... محض ضد میں ایسا ہوتا رہا ہے.... میں اسے دکھانا چاہتی تھی کہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"اور نہیں بگاڑ سکا.... کیوں؟"

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس حد تک بڑھ جائے گا۔"

"آئندہ سوچ لیا کرنا۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ تھوڑی دیر بعد اجنبی نے پوچھا۔"تو تم یہ سب کچھ دوسروں کی ضد میں کیا کرتی ہو۔"

"ہاں.... یہی بات ہے۔"

"خبر دار مجھے اپنے یہاں ملازم نہ رکھوانا۔"

صبیحہ ہنس پڑی۔ پھر یک بیک سنجیدہ بھی ہوگئی۔ وہ مستقل طور پر زخمی آدمی کے بارے میں سوچے جارہی تھی۔ اب تو وہ کھلم کھلا دشمنی پر کمربستہ ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے اُسے بدنام کرنے کی بھی کوشش کرے۔ اس مار پیٹ کی رپورٹ تو درج کرانے کی ہمت نہیں کرے گا اگر ایسا ہوا بھی تو وہ رپورٹ کسی نامعلوم راہزن ہی کے خلاف ہوگی۔

"پھر کیا رہی میری نوکری کی۔" کچھ دیر بعد اجنبی نے پوچھا۔

"ہو جائے گی۔" اُس نے مردہ سی آواز میں کہا اور عقب نما آئینے میں دیکھنے لگی اجنبی کی پھولی ہوئی ناک اور گھنی مونچھیں بڑی کریہہ لگ رہی تھیں۔

"تو پھر میں سیدھا گھر ہی چلوں نا....!"

"ہاں.... ہاں.... میں کہہ دوں گی راستے میں گاڑی خراب ہوگئی تھی اگر یہ آدمی مدد نہ کرتا تو گھر تک نہ پہنچ سکتی۔ تجربہ کار ڈرائیور اور اعلیٰ درجہ کا مکینک ہے۔ بیکار ہے آج کل بیچارہ....

کیوں نہ اسے ہی ملازم رکھ لیا جائے۔"

"بالکل ٹھیک.....!"

"لیکن تم وہی رات والے کپڑے پہنے ہوئے ہو۔"

"اُن کا حلیہ بھی بدل کر رکھ دوں گا..... تم فکر نہ کرو۔"



جوزف ریٹا جبرائیل کو کھا جانے والے انداز میں گھور رہا تھا۔ غصے کے مارے آنکھیں ابلی پڑ رہی تھیں اور ہونٹ معمول سے زیادہ موٹے اور ابھرے ہوئے لگتے تھے۔

"میں کہتی ہوں سیکریٹری کو میری آمد کی اطلاع دو۔" ریٹا نے بھی غصیلے لہجے میں کہا۔

"جاؤ..... چلی جاؤ..... اندر دوسری لڑکی موجود ہے۔"

"کیا بکتا ہے۔"

"آدمیوں کی طرح بات کرو..... ورنہ تمہاری ماں زندگی بھر روئے گی۔"

اتنے میں صفدر بھی دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

"اس بدتمیز کو سمجھاؤ.....!" ریٹا اُسے دیکھ کر شیر ہو گئی۔

"سفید کتیا... شائد زندگی سے بیزار ہو گئی ہے تو.....!" جوزف نے اُسکی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"جوزف.....!" صفدر نے اُسے للکارا..... اور اُس کا پھیلا ہوا ہاتھ جوں کا توں رہ گیا۔

"میں تمہیں مزہ چکھاؤں گی۔" وہ صفدر کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے جوزف کو گھونسہ دکھا کر بولی۔ لیکن جوزف پتھر کے بت کی طرح بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ ہاتھ ابھی تک اُسی طرح پھیلا ہوا تھا اور پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔

"کیا بات ہے۔" صفدر ریٹا کی طرف مڑا۔

"تم سے ملنے آئی تھی..... میں تو ایسے بدتمیز آدمی.....!"

"اُسے چھوڑو..... کیا بات ہے۔"

"اوہ..... یہاں سبھی ایک جیسے ہیں۔" وہ اُس کے کھردرے لہجے کا بُرا مان کر بولی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں..... جوزف ہاتھ نیچے گراؤ۔"

جوزف مشینی انداز میں "اٹین شن" ہوگیا اور ریٹا کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ جوزف صرف آنکھوں کو جنبش دے کر گھورتا رہا۔

"آؤ....!" صفدر نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

ریٹا اندر داخل ہوئی۔ صفدر اُس کے پیچھے تھا۔

"یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔" وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"کس کی تلاش ہے۔"

"کسی کی بھی نہیں۔ اُس کالے نے کہا تھا تم اندر نہیں جاسکتیں پہلے سے ایک لڑکی موجود ہے۔"

"اوہ.... وہ میری سیکریٹری کے بارے میں کہہ رہا ہوگا۔"

"تمہاری سیکریٹری....!"

"ہاں.... یہاں تو سیکریٹریوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ میں براہِ راست رانا صاحب کا سیکریٹری ہوں۔ وہ میری سیکریٹری ہے.... اور اُس کا سیکریٹری فی الحال چھٹی پر ہے چونکہ وہ چھٹی پر ہے.... اس لئے اس کے سیکریٹری کی بھی چھٹی ہی سمجھو اور اُس کے بعد کے بھی بقیہ سیکریٹری موج کررہے ہیں.... بیٹھو.... تم کھڑی کیوں ہو۔"

"تو گویا میں براہِ راست رانا صاحب کی سیکریٹری نہ بن سکوں گی۔"

"ناممکن.... قطعی ناممکن.... تو آپ مجھ پر دانت لگائے بیٹھی ہیں۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ براہِ راست ایک ہی سیکریٹری ہو۔"

"محترمہ.... محترمہ.... آپ براہِ راست ہمارے معاملات میں دخیل ہونے کی کوشش کررہی ہیں۔"

"نہ جانے کیوں اپنائیت محسوس کرتی ہوں۔"

"ذرا آہستہ....!" صفدر نے چاروں طرف چور نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب....!"

"مم.... میری سیکریٹری....!" اُس کا لہجہ خوفزدہ تھا۔

"ارے.... کیوں؟ اوہ تبھی.... یہ بات ہے۔ سیکریٹری کیوں.... مسٹریس ہوگی تمہاری۔"

دفعتاً دروازہ زور دار آواز کے ساتھ کھلا اور جوزف دھڑ دھڑاتا ہوا اندر گھس آیا.... ایڑیاں بجائیں اور تن کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات ہے۔" صفدر سچ مچ جھنجھلا گیا۔

"اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔"

"باہر جاؤ۔"

"ہرگز نہیں.... میں باڈی گارڈ ہوں۔"

"باہر ٹھہرو....." صفدر گرج کر بولا۔

"ہرگز نہیں جناب.... میں باس کو جوابدہ ہوں۔"

"کس باس کی بات کر رہا ہے۔" ریٹا نے آہستہ سے پوچھا۔

"رانا صاحب کی۔" صفدر نے بھرائی ہوئی سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

اُسے حقیقتاً غصہ آگیا تھا کیونکہ جوزف کے "باس" سے عمران مراد تھی.... کیا عمران نے اُسے اس قسم کی چوکیداری پر لگایا ہے؟ وہ سوچتا اور تاؤ کھاتا رہا۔ اس سے پہلے تو اس نے کبھی ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی۔

"تم کیا سوچنے لگے۔" ریٹا بولی۔ "کیا تم اس سے خائف ہو۔"

"تم غلط سمجھیں۔ یہ مجھے اپنے پالتو کتے کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔" صفدر کے بولنے سے پہلے ہی جوزف بول پڑا۔

"میں تم سے بات نہیں کر رہی۔" ریٹا نے جھنجھلا کر کہا۔

"یہاں تم میرے علاوہ اور کسی سے بات نہیں کر سکتیں۔"

"تم سن رہے ہو۔" وہ جھلا کر صفدر کی طرف مڑی۔ جو سر جھکائے سگریٹ سلگا رہا تھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس کے اختیارات کتنے وسیع ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"رانا صاحب ایک خارش زدہ کتے کو بھی مجھ پر حاکم بنا سکتے ہیں۔"

"تب تو یہ ملازمت میرے لئے قطعی فضول ہو گی۔"

"ہاں ہاں.... بالکل فضول ہو گی۔ تم جاؤ یہاں سے۔" جوزف ہاتھ ہلا کر بولا۔

"حد ہوتی ہے۔" ریٹا پیر پٹخ کر چنچنائی۔ "میں تمہیں دیکھ لوں گی کالے خبیث!"

جواب میں جوزف نے بھی اُسے کتیا کی بچی کے خطاب سے نوازااور وہ تیزی سے باہر نکل گئی.... صفدر جوزف کو قہر آلود نظروں سے گھورے جارہا تھا۔ جوزف بھی واپس جانے کے لئے "اباؤٹ ٹرن" ہوا۔

"ٹھہرو....!"صفدر غرایااور جوزف آگے بڑھنے کی بجائے وہیں تھم گیا۔

"یہ کیا حرکت تھی تمہاری۔"صفدر نے پوچھا۔

"باس کا حکم....!"جوزف نے اُس کی طرف مڑے بغیر جواب دیا۔

"بکواس ہے۔"

"یقین کرو یانہ کرو۔ میں مجبور ہوں۔"

"کیا کہا گیا تھا تم سے۔"

"یہی کہ کسی اجنبی لڑکی کو تمہارے قریب نہ آنے دوں۔"

"میں اپنی نگہداشت خود کر سکتا ہوں۔"

"میں بھی جانتا ہوں۔"

"پھر....؟"

"باس کا حکم....!"

"یہ کھلی ہوئی بکواس ہے۔ تم اب ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔"

"دوسری بار اس سے بھی زیادہ بُرا رویہ اختیار کروں گا۔ وہ تمہارے قریب آکر تو دیکھے۔"

"میں تمہارے جبڑے توڑ دوں گا۔"

"وہ پہلے ہی سے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ایک بار اور سہی.... اکھڑے جبڑوں کو دوبارہ سٹ کر لینے کی مشق ہے مجھے۔"

صفدر کا غصے کے مارے بُرا حال ہو گیا۔

"ارے تو خود کو کیا سمجھتا ہے۔" وہ گھونسہ تان کر اُس کی طرف جھپٹااور جوزف نے بڑے خاکسارانہ انداز میں دانت نکال دیئے۔ وہ کچھ اس طرح صفدر کے حملے روکتا رہا جیسے کوئی معمر آدمی کسی بچے کو کھلا رہا ہو۔ خود اُس نے ایک بار بھی صفدر پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔

ذرا ہی سی دیر میں مکا بازی کے سارے گر آزما ڈالے اور بُری طرح ہانپنے لگا۔

"بس کرو ماسٹر....!" جوزف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اس قسم کی ورزشیں میرا نشہ اکھاڑ دیتی ہیں.... چھ بوتلوں میں پورا نہیں ہوتا۔"

"نکل جاؤ.... نکلو.... خبیث....!" صفدر دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔

جوزف دانت نکالے ہوئے دروازہ کی طرف مڑ گیا۔



اس بار وہ سب الگ الگ ایک دوسرے کی نگرانی کر رہے تھے اور ایک کو دوسرے کی خبر نہیں تھی۔ انہیں ایکس ٹو سے ہدایات ہی اس قسم کی ملی تھیں۔

صفدر جوزف اور ساجدہ حبیب کی نگرانی کیپٹن خاور اور سارجنٹ نعمانی کے ذمے تھی۔ لیکن صفدر وغیرہ کو اس کا علم نہیں تھا۔

وہ دونوں بھی ہوٹل روانو ہی میں مقیم تھے۔ ایرانی تاجروں کے روپ میں۔ میک اپ ایسا تھا کہ پہچان لئے جانے کا خدشہ نہیں تھا۔ صفدر وغیرہ نے متعدد بار انہیں دیکھا ہو گا لیکن پہچان نہیں سکے تھے۔

اس وقت نعمانی اور خاور اُس ٹیلی فون آپریٹر کی نگرانی کر رہے تھے جس نے صفدر سے مل بیٹھنا چاہا تھا۔

وہ ڈیوٹی پر نہیں تھی۔ سرِ شام ایک آدمی اُسے روانو سے باہر لے گیا تھا۔ یہ دونوں اُس کا تعاقب کرتے ہوئے ہوٹل شہوار میں آئے تھے۔

ریٹا اور وہ آدمی ایک ایسی میز کے گرد بیٹھے تھے جہاں ایک معمر اور بارعب آدمی پہلے سے موجود تھا۔ اُس نے کرسی سے اٹھ کر اُن کا استقبال نہیں کیا تھا بلکہ ایسے انداز میں بیٹھا رہا تھا جیسے وہ خود ہی اُن سے اپنا احترام کرانے کا عادی ہو۔

خاور اور نعمانی اُن کے قریب ہی کی ایک میز کے گرد جا بیٹھے.... دونوں میزوں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہی تھا کہ وہ اُن کی گفتگو بہ آسانی سن سکتے۔

"رپورٹ....!" معمر آدمی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"وہ نیگرو.... ہمارے درمیان حائل ہو رہا ہے۔" ریٹا بولی۔

"تم نے اُس آدمی کا نام معلوم کیا یا نہیں۔" معمر آدمی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... اُس کا نام صفدر سعید ہے.... اور اُس کی سیکریٹری کا نام نغمانہ ہے۔"

"اور وہ نیگرو.... جوزف ہے! کیوں....؟"

"جی ہاں.... وہ اسے جوزف ہی کے نام سے پکارتا ہے۔"

"یہاں تک تو درست ہے۔ لیکن اُس کے مالک کا نام صفدر سعید کی بجائے علی عمران ہونا چاہیئے۔ مجھے یہی اطلاع ملی ہے۔" معمر آدمی خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا۔

"لیکن صفدر کہہ رہا تھا کہ ان کے مالک کا نام تہور علی ہے۔"

"ہوں....!" معمر آدمی سگار دانتوں میں دبائے ہوئے کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر پرس نکالا اور اُس میں سے دو تصویریں نکال کر ریٹا کے سامنے ڈال دیں۔

وہ انہیں غور سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "نہیں ان دونوں میں سے تو کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں دکھائی دیا۔"

معمر آدمی نے ایک تصویر پر انگلی رکھ کر کہا۔ "یہ علی عمران ہے۔"

پھر دوسری کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ ساجدہ حبیب ہے۔ جس نے انجمن کے مفاد کے خلاف کچھ کام کئے ہیں اور اب عمران کے ساتھ ہے۔"

"میں دیکھوں گی.... ابھی تک تو.... یہ دونوں نہیں دکھائی دیتے۔"

"لیکن یہ جوزف جس کی تصویر تم پہلے ہی شناخت کر چکی ہو۔ عمران ہی کا آدمی ہے۔"

"آپ یہ دونوں تصویریں میرے پاس رہنے دیجئے۔ میں دیکھ لوں گی۔"

"رکھ لو.... دوسری بات.... ایم نائین ٹین آج صبح سول ہسپتال میں داخل کیا گیا ہے۔ اُس کی حالت بہتر نہیں.... وہ ساسی کے ویرانے میں زخمی اور بیہوش پڑا پایا گیا تھا۔"

"اُوہ....!" ریٹا کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آئے۔ "میں سمجھ گئی۔ وہ لڑکی ساسی ہی کی طرف تنہا جایا کرتی تھی۔ ایم نائین ٹین نے جو طریقہ اختیار کیا تھا اس کی مخالفت میں ہمیشہ سے کرتی رہی ہوں۔"

"اُسے ختم کرو۔" معمر آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ زندہ نہیں بچے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ پولیس کو کسی قسم کا بیان نہ دینے پائے۔"

"کیا میں اسے بھی دیکھوں؟" ریٹا نے پوچھا۔

"نہیں اُسے دیکھ لیا جائے گا۔ تم لڑکی کو ٹٹولنے کی کوشش کرو۔ کیا وہ آج صبح سماسی کی طرف گئی تھی۔"

"اُس سے میری معمولی سی جان پہچان ہے.... میں سچ کہتی ہوں۔ اگر میری اسکیم کے مطابق کام ہوا ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔ میں اُسے بآسانی راہ پر لے آتی۔ لیکن ایم۔ تائین ٹین جو غالباً اس کے بنگلے کے سامنے والی عمارت میں رہتا تھا یہ کام اپنے ذمہ لے بیٹھا۔"

"بس...." وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اب جاؤ.... غالباً اُس لڑکی سے تمہاری اس حد تک جان پہچان ہے کہ تم اس کے گھر بھی جا سکو۔"

"نہیں بھی ہے تو میں اس کے لئے جواز پیدا کر ہی لوں گی۔"

خاور کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ رہا تھا۔

"نعمانی تم لڑکی کا تعاقب کرو.... میں اس آدمی کو دیکھوں گا۔"

نعمانی نے کنکھیوں سے تحریر پڑھی اور اٹھتا ہوا خاور سے بولا۔ "اچھا دوست اب اجازت دو.... میں کل تم سے ضرور ملوں گا۔"

دونوں نے مصافحہ کیا اور نعمانی ریٹا کے باہر نکلنے سے پہلے ہی فٹ پاتھ پر اُتر گیا۔

خاور یہیں بیٹھا رہا۔ معمر آدمی اب اپنی میز پر تنہا تھا۔ یہ معمر ضرور تھا لیکن صحت قابل رشک تھی۔ کوٹ کی آستینوں کے اوپر سے بھی بازوؤں کی مچھلیوں کی اکڑن واضح نظر آتی تھی۔ چہرے پر رعب تھا بس ایسا ہی لگتا تھا جیسے سر کے بال قبل از وقت سفید ہوگئے ہوں۔ ڈاڑھی اور مونچھوں سے بے نیاز چہرہ اتنا چکنا نظر آتا تھا جیسے اس کے رکھ رکھاؤ پر وقت کا کافی حصہ صرف کیا جاتا ہو۔ آنکھوں میں بجلیاں سی کوندتی محسوس ہوتی تھیں۔ ورنہ عموماً اُس عمر کے لوگوں کی آنکھیں کسی قدر دھندلا ہی جاتی ہیں۔ خواہ صحت کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو وہ کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا نیم وا آنکھوں سے خلاء میں دیکھ رہا تھا۔ دانتوں میں دبا ہوا سگار شاید بجھ چکا تھا۔

خاور نے سگریٹ سلگائی اور سوچنے لگا کہ کچھ طلب کرے یا نہیں۔ معمر آدمی اپنی میز پر تنہا

ہے ضروری نہیں کہ وہ وہاں بیٹھا ہی رہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس وقت اٹھے جب ویٹر خود اُس کی طلب کی ہوئی چیزیں میز پر لگا رہا ہو۔ پھر وہ کیسے اس کا تعاقب کر سکے گا۔ اچانک اس کا اٹھنا کسی طرح بھی مناسب نہ ہو گا۔

دوسری طرف یہاں بیکار بیٹھنا اور کچھ دیر بعد یونہی رخصت ہو جانا بھی ٹھیک نہیں۔ ہو سکتا ہے اس آدمی نے خود اپنی نگرانی کے لئے بھی کسی کو مقرر کر رکھا ہو۔ پھر ایسی صورت میں محتاط رہنا کھیل بگاڑ دینے کے مترادف ہو گا۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک تدبیر سمجھ میں آگئی۔ اُس نے جلدی جلدی مینو پر نظر دوڑا کر کھانے کی کچھ چیزیں منتخب کیں اور اشارے سے ویٹر کو بلا کر کہا۔ "یہ چیزیں پیک کرا دو.... میں یہاں کچھ دیر بیٹھ کر اخبار دیکھوں گا۔"

"بہت بہتر جناب عالی۔"

ویٹر چلا گیا اور صفدر نے دوسری خالی میز پر پڑا ہوا اخبار اٹھا لیا۔

معمر آدمی اب بھی اُسی پوزیشن میں بیٹھا ہوا تھا جس میں کچھ دیر پہلے نظر آیا تھا۔ کچھ دیر بعد ویٹر پیک کیا ہوا سامان میز پر رکھ کر چلا گیا۔ خاور نے اخبار سے نظر ہٹائے بغیر اُس سے کہا تھا کہ وہ بل لانے میں دیر نہ کرے۔

وہ اخبار دیکھتا رہا۔ ویٹر حسب ہدایت جلدی ہی بل لے آیا۔ دام چکانے کے بعد وہ اخبار پر اسی طرح جھک پڑا جیسے کوئی بہت اہم چیز پڑھتا رہا تھا اور ویٹر کی دخل اندازی گراں گذری ہو۔

معمر آدمی اب میز پر جھکا ہوا تازہ سگار سلگا رہا تھا۔

خاور کے اندازے کے مطابق شاید وہ کسی کا منتظر تھا۔

وہ اور زیادہ انہماک کے ساتھ اخبار پر جھک پڑا۔ اُس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ معمر آدمی ایک لنگڑے کے استقبال کے لئے اپنی کرسی سے اٹھتا ہوا نظر آیا۔ یہ لنگڑا بیساکھیوں کی مدد سے چل رہا تھا اور بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ ہال کی پُر سکون فضا میں گونج رہی تھی.... لباس کے رکھ رکھاؤ سے باسلیقہ اور ذی حیثیت آدمی معلوم ہوتا تھا۔

معمر آدمی نے سہارا دے کر اُسے کرسی پر بٹھایا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اُس لنگڑے کا بے حد احترام کرتا ہو.... ہوٹل شہوار کا عملہ بھی کچھ اس طرح چاق و چوبند نظر آنے لگا تھا جیسے کسی

بہت معزز ہستی نے وہاں قدم رکھا ہو..... جس سے بھی اس کی نظر ملتی بڑے ادب سے سلام کرتا اور وہ خالی الذہنی کے سے انداز میں سر کو خفیف سی جنبش دے کر سلام کا جواب دیتا۔

لنگڑے آدمی کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ بمشکل پینتیس سال کا رہا ہو گا۔ خدوخال دلکش تھے۔ صحت بھی اچھی تھی۔ بہر حال اُسے بیساکھیوں کی مدد سے چلتے دیکھ کر افسوس ہوتا تھا۔

دونوں کے درمیان چند رسمی باتیں ہوئیں۔ پھر معمر آدمی نے کہا۔ "حالات کسی طرح بھی قابو میں نہیں آرہے۔"

"میں پہلے ہی کہتا تھا....؟" لنگڑے نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اُوہ.... ہم جس بات کا بھی عہد کرتے ہیں....!"

"ختم بھی کرو....!" لنگڑا ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"آپ سمجھنے کی کوشش کیجئے.... ہمارا ایک آدمی اس وقت ہسپتال میں پڑا ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ بچنے کی امید نہیں.... پسلیوں کی کئی ہڈیاں ٹوٹ کر پھیپھڑوں میں گھس گئی ہیں۔"

"بھلا یہ کیسے ہوا....؟" لنگڑے نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر پوچھا۔

"خدا جانے.... لیکن یہ سلسلہ وہی تھا۔"

"سلسلہ وہی تھا....!" لنگڑے نے کہہ کر قہقہہ لگایا۔

معمر آدمی کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔ لیکن ایسا لگتا تھا کہ وہ کسی وجہ سے اظہار خیال نہیں کر سکتا.... لنگڑا ہنستا ہی رہا۔

"آپ کیا پئیں گے۔" بالآخر معمر آدمی نے غالباً اُس کی نہ رکنے والی ہنسی سے اُکتا کر پوچھا۔

"اُس آدمی کا جام صحت جو سول ہسپتال میں دم توڑ رہا ہے.... یار کیوں مجھے اُلو بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"مت یقین کیجئے... لیکن ہم نے جس کام کا بیڑہ اٹھایا ہے اُسے تکمیل کو پہنچا کر ہی دم لیں گے۔"

"مجھے جلدی ہے۔" لنگڑے نے بہت سنجیدہ ہو کر کہا۔

"جلد ہی ہو گا.... میرا خیال ہے کہ طریق کار میں کوئی خامی رہ جانے کی بناء پر اتنی دیر ہوئی ہے۔"

لنگڑا کچھ نہ بولا۔ معمر آدمی نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر کچھ کہا اور وہ مؤدبانہ انداز میں سر کو جنبش دے کر چلا گیا۔

خاور کی نظر اخبار پر جمی رہی.... تھوڑی دیر بعد ویٹر ہاتھوں پر ایک ٹرے اٹھائے ہوئے ان کی میز کے قریب آیا... ٹرے میں شمپئن کی بوتل، سوڈے کا سائیفن اور دو گلاس تھے۔

معمر آدمی نے بوتل کی سیل توڑتے ہوئے لنگڑے سے کہا۔"آپکو قطعی مطمئن رہنا چاہئے۔"

"یقیناً.... لیکن اگر اس سے پہلے ہی کوئی کامیاب ہو گیا تو۔"

"اُس پر بھی ہماری نظر ہے.... ہم کچا کام نہیں کرتے۔"

"اچھا اگر کوئی کامیاب ہی ہو گیا تو۔"

"انجمن آپ کی رقم پائی پائی کا حساب کر کے واپس کر دے گی۔"

"مجھے رقم نہیں چاہئے۔"لنگڑے نے کسی قدر غصے میں کہا۔"اور جو کچھ چاہو دے سکتا ہوں۔"

"مجھے علم ہے جناب.... آپ کی مالی حیثیت کس سے پوشیدہ ہے۔ بس تھوڑا وقت اور دیجئے۔"معمر آدمی نے کہا۔ لنگڑا بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

معمر آدمی نے گلاسوں میں تھوڑی تھوڑی انڈیلی اور یکے بعد دیگرے اُن میں سوڈے کی دھار مارتا رہا۔

خاور سوچ رہا تھا دیکھو ان میں سے کب کون اٹھتا ہے۔ شہر کے کسی ذی حیثیت لنگڑے کو ڈھونڈ نکالنا مشکل کام نہ ہوتا۔ لیکن اگر معمر آدمی نظروں سے اوجھل ہو جاتا تو دوبارہ سراغ ملنے میں یقیناً دشواری پیش آتی۔

تقریباً پون گھنٹے تک ان کا شغل جاری رہا.... پھر لنگڑا اٹھ گیا تھا۔ لیکن معمر آدمی جما بیٹھا رہا.... آدھی بوتل سے کچھ کم شراب باقی بچی تھی۔ معمر آدمی نے بوتل پر ڈھکن جما کر اُسے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ خاور سمجھا شاید اب اُٹھے گا لیکن وہ تو کرسی کی پشت سے ٹک کر پھر نیا سگار سلگا رہا تھا۔ اُس نے سوچا اب خود اس کا مزید بیٹھنا دوسروں کو شبہات ہی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ لہٰذا اٹھنا چاہئے۔ باہر کہیں رک کر اُس کی آمد کا منتظر رہے گا۔

اُس نے ہوٹل سے خریدی ہوئی چیزیں سمیٹیں اور اخبار کو وہیں چھوڑ کر اٹھ گیا۔



رات خوشگوار تھی.... صبیحہ نے برآمدے کے وہ بلب روشن کر دیئے تھے جن سے لان پر

بھی روشنی پھیلتی اور خود برآمدے میں بیٹھی نئے ڈرائیور کو غور سے دیکھ رہی تھی جو سامنے والے روش پر گاڑی کی صفائی کر رہا تھا۔

وہ سوچ رہی تھی۔ بے حد چالاک معلوم ہوتا ہے۔ دوپہر ہی سے گاڑی میں لگے لگے رات کر دی۔ اُس کے گھر والوں پر اپنی مستعدی کا سکہ جمانا چاہتا ہے۔ لیکن یہ حقیقتاً کون ہے؟

اُس کا بہروپیاپن متحیر کر دینے والا تھا۔ رات اختر بنے تھے۔ اس وقت صورت بدل کر رہ گئی ہے اور پیشہ ور ڈرائیور معلوم ہو رہا ہے اس کے چہرے پر وہ پھولی ہوئی ناک اور گنجان مونچھیں قطعی نقلی نہیں لگتی تھیں.... ماں سے جب اُس نے اس کی مشاقی کا تذکرہ کیا تھا تو وہ فوراً ہی اُسے ملازمت دینے پر آمادہ ہو گئی تھیں اور اُس مکار نے بھی خوب ہی باتیں بنائی تھیں۔ کہنے لگا۔ "نہ پیسوں کی پرواہ ہے اور نہ کھانے کی.... ایسی گفتگو نہ کی جائے مجھ سے کہ میں خود کو ازلی غلام محسوس کرنے لگوں۔ عزت دار گھرانے کا آدمی ہوں۔ بس پڑھنے لکھنے میں جی نہیں لگتا تھا اس لئے یہ درگت بنی ہے۔ اگر آپ حوالے چاہیں تو بہت بڑے بڑے آدمیوں کے حوالے دے سکتا ہوں جن کے ساتھ رہ چکا ہوں۔"

اور پھر اُس نے سب سے پہلے ہوم سیکریٹری سر سلطان کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا۔

"اُن سے پوچھ لیجئے کہ عبدالمنان کیسا ڈرائیور ہے اور کیسا آدمی ہے۔"

ماں اس حوالے پر کافی مرعوب ہوئی تھیں اور انہوں نے چاہا تھا کہ تنخواہ کا مسئلہ بھی طے کر لیں.... لیکن وہ یہی کہتا رہا تھا جو مناسب سمجھئے گا دے دیجئے گا۔ مجھے تو دو وقت کی روٹی اور رہنے کو جگہ چاہئے پھر یہ معاملہ باپ کی واپسی تک کے لئے ٹل گیا تھا۔

وہ سوچتی اور اُسے گھورتی رہی جو ایک نلکی کو ہونٹوں میں دبا کر پھونک رہا تھا۔

"اے عبدالمنان.... ادھر آؤ۔" دفعتاً صبیحہ نے اُسے مخاطب کیا۔

اور وہ کسی پالتو کتے کی طرح اُس کی طرف چلا آیا۔

"اَب ختم بھی ہو گا یہ کھڑاگ.... یا نہیں۔" اُس نے کسی قدر جھلا کر کہا۔

"بی بی جی.... ہم کیا کرے۔" وہ آستین سے ناک گھستا ہوا بولا۔ "پچھلے ڈرائیور نے بڑا کباڑ کر رکھا ہے۔ سلف کا بش بالکل خلاص ہو چکا ہے۔ نیا بش نہیں پڑتا تو ہینڈل بازی کرنی پڑے گی۔"

"ارے تو تم مستری بھی ہو۔"

"ہاں ہاں بی بی جی.... اب یہ گاڑی کسی ورکشاپ میں نہیں جائے گی۔"

"کمال کے آدمی ہو بھئی۔"

"ارے ہم کیا.... ہمارا باپ تو آنکھوں پر پٹی باندھ کر انجن اُوور ہال کرتا تھا۔"

"ہاں.... ہاں ایسی ہی بات ہوگی۔" صبیحہ نے اونچی آواز میں کہا اور پھر آہستہ سے بولی۔ "میں نے سنا ہے اُس کی حالت بہت خراب ہے۔"

"مرنے دو....!" اُس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"میں بہت پریشان ہوں۔ اگر اُس نے پولیس کو بیان دے دیا تو۔"

"دیکھا جائے گا.... اُس نے مجھے اس حلیہ میں نہیں دیکھا تھا۔"

"مجھے تو دیکھا تھا۔ کیا وہ یہ نہ سمجھ گیا ہوگا کہ تم میرے ہی ساتھ آئے تھے۔"

"سمجھنے دو....!"

"ارے میری بدنامی....!"

"بدنامی....!" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "بدنامی کی پرواہ ہوتی تو تم کسی اختر کا بکھیڑا کرتیں۔"

"ارے.... اپنا لہجہ ٹھیک کرو.... عبدالمنان....!"

"بہت بہتر مس صاحب۔"

"تم آخر ہو کیا بلا۔"

"ڈرائیور مس صاحب.... فی الحال۔"

"میں سوچتی ہوں کہیں تم ہم لوگوں کے ساتھ کوئی فراڈ نہ کرو۔"

"بس سوچتی رہئے.... اُس وقت تک جب تک کہ میں کوئی فراڈ نہ کر بیٹھوں۔"

"کیا مطلب....؟"

"آپ بس سوچتی ہی رہ جائیے گا.... اُوہ.... وہ دیکھئے.... کوئی میم صاحبہ آرہی ہیں۔"

صبیحہ چونک کر پھاٹک کی طرف مڑی.... پھاٹک پر کوئی سفید فام عورت تھی۔ سفید بلاؤز اور نارنجی اسکرٹ میں ملبوس تھی۔

وہ برآمدے کی طرف بڑھتی رہی۔ کچھ اور قریب آئی تو صبیحہ نے اُسے پہچان لیا۔ اکثر ریڈ کراس کے ورائٹی پروگراموں کے سلسلے میں پہلے بھی اُس سے ملاقات ہو چکی تھی۔ ریٹا

جبرائیل نام تھا۔ ریڈ کراس تنظیم کے ہمدردوں میں سے تھی اور اس کے لئے فنڈ اکٹھا کرنے میں کارکنوں کو مدد دیتی تھی۔

صبیحہ نے اُس کے چہرے پر حیرت اور خوشی کے ملے جلے آثار دیکھے۔

"ہیلو صبیحہ.... یہ تم ہو.....!" وہ قریب پہنچ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہوئی چہکی۔ "کیا معلوم تھا کہ اس طرح ملاقات ہوگی۔"

"آؤ.... آؤ.... بیٹھو....؟"

"ضرور بیٹھوں گی.... بہت تھک گئی ہوں۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "دوپہر سے ان اطراف کے چکر لگ رہے ہیں۔"

"کیوں....؟"

"ارے وہی مسز آرتھر کا چکر ہے ریڈ کراس والا.... فنڈ جمع کرنے نکلے ہیں۔"

"کافی پیوگی یا چائے۔"

"کچھ بھی نہیں.... تم تو یہ بتاؤ کہ کتنا دے رہی ہو۔"

"کافی پیو.... وہ پھر سوچیں گے۔" صبیحہ نے کہا اور ڈرائیور کو مخاطب کر کے کہا۔ "کافی کے لئے کہہ دو۔"

"جی اچھا....!" ڈرائیور نے سر ہلا کر کہا اور چلا گیا۔

"کہو کیسی گذر رہی ہے۔" ریٹا نے پوچھا۔

"کوئی خاص نہیں۔ یہاں بوریت کے علاوہ رکھا ہی کیا ہے۔"

"کیوں.... کیا اب ڈرائیونگ نہیں کرتیں۔ شائد ایک بار تم نے بتایا تھا کہ اکثر صبح ہی صبح دور تک تنہا نکل جاتی ہو۔"

"وہ.... تو.... ہاں.... اب.... بہت دنوں سے ایسا کوئی اتفاق نہیں ہوا۔" صبیحہ نے کسی قدر پریشانی کے ساتھ کہا کیونکہ اچانک آج کا واقعہ پھر یاد آگیا تھا۔

"ضرور جایا کرو.... اس قسم کی تبدیلیاں صحت کے لئے مفید ہیں۔"

"اب تو وقت ہی نہیں ملتا۔"

"کہو تو میں بھی ساتھ چلا کروں۔"

"مشکل ہے.... پاپا نے پابندی لگادی ہے۔ پھر اَب ڈرائیور کو کون ساتھ بٹھائے پھرے۔"

"مجھے اپنے پاپا سے ملاؤ.... شاید میں ان سے کچھ زیادہ وصول کر سکوں۔"

"وہ تو پچھلے ہفتے دورے پر گئے تھے ابھی تک واپس نہیں آئے۔"

"اُوہ.... تب تو آزادی ہے.... چلو کل صبح چلیں۔"

"اور ممی جو ہیں۔"

"وہ کیا کریں گی۔"

"پاپا سے کئی گناہ زیادہ خونخوار ہیں۔"

"اُن سے ملاؤ۔"

"اس وقت تو مشکل ہے. وہ عبادت کر رہی ہوں گی۔"

"بہت ڈرتی ہو والدین سے۔"

"ڈرنا ہی چاہئے.... والدین کا خوف ہمارے کلچر کا جزو لازم ہے۔"

"بنو مت.... تم آج ہی گاڑی لے کر حسب عادت ویرانے کی طرف نکل گئی ہو گی۔ کیونکہ میدان صاف تھا۔"

"ہم لوگ والدین کو دھوکا دینا بُرا سمجھتے ہیں۔"

"اچھا نہیں گئی تھیں۔"

"ہر گز نہیں۔"

"میں یقین نہیں کر سکتی۔"

قبل اس کے کہ صبیحہ کچھ کہتی ڈرائیور کی آواز سن کر چونک پڑی جو کہہ رہا تھا۔ "پاگل ہو گیا ہے.... کہہ رہا ہے ہر گز نہ بناؤں گا کافی.... پینا ہو تو چائے پئیں۔"

"کیا مطلب....؟"

"مطلب بھی اُسی سے پوچھئے گا.... میں کیا جانوں۔"

"ٹھہرو.... میں دیکھتی ہوں۔" صبیحہ نے کہا اور ریٹا سے انگریزی میں بولی "ٹھہرو میں ابھی آئی۔" وہ تیزی سے صدر دروازے سے گذر گئی۔ پھر کچن کی طرف بڑھ ہی رہی تھی کہ ڈرائیور کی آواز سن کر رک جانا پڑا۔

"خواہ مخواہ باورچی پر نہ الٹ پڑنا۔ میں تمہیں وہاں سے ہٹا کر ایک بات کہنا چاہتا تھا۔"

"تم آدمی ہو یا گھن چکر.....!" صبیحہ کو تاؤ آ گیا۔

"سن لو میری بات ورنہ کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گی۔" وہ شیطان کی خالہ تم سے صرف یہ معلوم کرنے آئی ہے کہ تم نے آج صبح ڈرائیونگ کی تھی یا نہیں۔"

"تم کیا جانو..... ہم انگریزی میں گفتگو کر رہے تھے۔"

"فرانسیسی اور جرمن میں بھی کر کے دیکھ لو..... اگر نہ سمجھ لوں تو مونچھیں اکھاڑ لینا..... کیا سمجھتی ہو ہاں.....!"

"وہ کیوں اعتراف کرانا چاہتی ہے۔"

"بتاتا ہوں..... پہلے تم یہ بتاؤ کہ اُسے کب سے جانتی ہو۔"

"عرصہ سے جانتی ہوں لیکن وہ میرے گھر پہلی بار آئی ہے۔"

"آج بھی نہ آتی اگر وہ واقعہ پیش نہ آتا۔"

"تو کیا..... تو کیا..... اس کا تعلق خفیہ پولیس سے بھی ہو سکتا ہے؟"

"میں تو یہی سمجھتا ہوں۔"

"پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"ہرگز اعتراف نہ کرنا کہ تم آج صبح گاڑی لے کر گئی تھیں۔"

"اور..... اور..... کافی۔"

"تیار ہو رہی ہے..... بس اب جاؤ..... باورچی تو کسی فرشتے کی اولاد معلوم ہوتا ہے۔"

"تو تم محض بتانے کے لئے مجھے اِدھر لائے تھے۔"

"بالکل..... بالکل..... اب جاؤ..... میں کچھ دیر تمہاری نانی اماں کو سن اٹھارہ سو ستاون کے غدر پر کمنٹری سناؤں گا۔"

صبیحہ سوچ میں ڈوبی ہوئی پھر وہیں واپس آ گئی جہاں ریٹا اس کی منتظر تھی۔

"کتنے کی رسید کاٹوں؟" ریٹا نے وینٹی بیگ سے رسید بک نکالتے ہوئے پوچھا۔

"پیسے لینے نہیں گئی تھی۔ میرا باورچی سخت نالائق اور کام چور ہے۔ اُس نے کافی تیار کرنے سے انکار کر دیا تھا کہہ رہا تھا کہ رات کو کافی پینے سے ملیریا ہو جاتا ہے۔"

"کیا اُس گندی مونچھوں والے نے بھی اطلاع دی تھی۔"

"ہاں....!"

"وہ بھی تمہارا کوئی ملازم ہے۔"

"ہاں....ڈرائیور ہے۔"

"میں تو ایسی گندی مونچھ والے کو ایک منٹ کے لئے بھی برداشت نہ کرسکوں۔"

"پسند اپنی اپنی.... مجھے اُس کی مونچھیں ہی تو اچھی لگتی ہیں۔"

"شش.... خیر.... کتنا دے رہی ہو۔"

"دس روپے لکھ لو.... پاپا کی واپسی سے پہلے میری ذاتی مالی حالت بہتر نہیں ہوسکے گی۔"

"اچھی بات ہے۔" ریٹا نے کہا اور رسید بک پر کچھ لکھنے لگی۔ پھر رسید پھاڑ کر اُس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔ "میرا خیال ہے کہ صبح کی سیر میں کبھی نہ کبھی میرا اور تمہارا ساتھ ضرور ہوگا۔"

صبیحہ کچھ نہ بولی۔ اب تو سچ مچ اُسے سوچنا پڑا تھا کہ آخر وہ صبح کی سیر کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے۔

"اچھا تو پھر....!" ریٹا اٹھتی ہوئی بولی۔

"بیٹھو.... بیٹھو.... کافی پلائے بغیر نہیں جانے دوں گی۔"

"بہت کام کرنا ہے صبیحہ....!"

"فکر نہ کرو....کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔"

وہ پھر کچھ کہنے والی تھی کہ ایک ملازم ٹرالی دھکیلتا ہوا آ گیا۔

صبیحہ نے ریٹا کے لئے کافی انڈیلی۔ لیکن اس کی الجھن بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ وہ کنکھیوں سے ریٹا کی طرف دیکھتی اور کافی کی چسکیاں لیتی رہی۔ سوچ رہی تھی کہ کیا وہ سچ مچ خفیہ پولیس سے تعلق رکھتی ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو آج ہی یہاں کیوں آن مری۔ پہلے کیوں نہیں آئی تھی۔ متعدد بار اس علاقے سے ریڈ کراس کے لئے فنڈ اکٹھا کیا گیا تھا۔

خدا خدا کر کے کافی ختم ہوئی اور ریٹا رخصت بھی ہوگئی۔ لیکن صبیحہ وہیں بیٹھی رہی۔ اُس کے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ رہی تھیں۔

نیا ڈرائیور گاڑی گیراج میں بند کر کے تھوڑی دیر بعد اُدھر سے گذرا۔ صبیحہ نے ہاتھ اٹھا کر اُسے رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ قریب آ گیا۔

"میں بہت پریشان ہوں اختر....!" صبیحہ رومال سے چہرے کا پسینہ خشک کرتی ہوئی بولی۔

"مجھ سے زیادہ نہ ہوگی۔"

"اوہ.... تو اب تمہیں پریشانی ہے۔"

"بالکل.... تمہاری نانی مجھے زندہ نہ رہنے دیں گی.... کہنے لگیں یہ نگوڑ ماری مونچھیں کافروں کی سی ہیں.... مسلمانوں کو لب ضرور کتروانی چاہئیں۔"

"بس اسی کی پریشانی۔" صبیحہ حیرت سے بولی۔

"اور کیا.... لب کتروانے بیٹھا تو ناک سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔"

"ارے اس کی فکر نہیں.... وہ.... جو.... وہ جو پتہ نہیں زندہ بھی ہو یا مر گیا ہو۔"

"نہیں....!" ڈرائیور نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"وہ لڑکی ریتا سچ مچ خفیہ پولیس ہی کی معلوم ہوتی ہے۔ بار بار مجھ سے اعتراف کرانے کی کوشش کر رہی تھی کہ آج میں ویرانے کی طرف گئی تھی یا نہیں۔"

"پھر تم نے کیا کہا۔"

"اس پر اڑی رہی کہ یہ عادت عرصہ ہوا ترک کر چکی ہوں۔"

"چلو بس ٹھیک ہے۔"

"لیکن آج صبح مجھے گھر سے نکلتے بہتوں نے دیکھا ہوگا۔"

"پرواہ مت کرو.... محض اتنی سی چیز تمہارے خلاف ثبوت کے طور پر نہیں پیش کی جاسکتی.... بس اپنی زبان بند رکھو....!"

"ہوں.... اچھا خیر.... تم اپنا سامان اسٹیشن سے لائے یا نہیں۔"

"موقع کہاں ملا.... کہو تو اب چلا جاؤں۔"

"ضرور جاؤ... ورنہ آج پھر جھلنگے ہی پر سونا پڑے گا تمہیں۔ بستر کا انتظام نہیں کیا جاسکتا۔"



خاور سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ دیر تک نعمانی کا منتظر رہنے کے بعد اُس نے محسوس کیا تھا کہ اب شاید بیٹھے ہی بیٹھے نیند آجائے۔

پھر وہ لیٹا ہی تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ اٹھ کر دروازہ کھولا آنے والا نعمانی ہی تھا۔ اُس کی آنکھوں سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔ آتے ہی جوتوں سمیت بستر پر ڈھیر ہو گیا۔

"کیا ہوا....!" خاور نے پوچھا۔

"یار تھکا ڈالا اُس کمبخت نے۔ پیدل چل کر ریڈ کراس کے لئے چندہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ لہٰذا میں اس کا اندازہ ہی نہ کر سکا کہ اُس کی منزل مقصود کہاں تھی۔ تقریباً ڈیڑھ درجن بنگلوں اور کوٹھیوں میں گھسی تھی۔ لہٰذا اندازہ کرنا مشکل ہے کہ وہ کس لڑکی کا قصہ تھا۔ البتہ ایک بات ہے۔"

"کیا.... ذرا جلدی سے یہ کہانی ختم کرو۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"ایک بنگلے میں مجھے عمران بھی نظر آیا تھا۔ اپنے ریڈی میڈ میک اپ میں تھا۔ یعنی جھکی ہوئی مونچھیں اور پھولی ہوئی ناک پلاسٹک والی۔"

"تب پھر یقین کر لو کہ وہ بنگلہ منزل مقصود تھی۔ کون رہتا ہے وہاں....!"

"طاہر صدیقی سٹی ڈپٹی کلکٹر....!"

"ہوں....!"

"تم نے کیا کیا....!" نعمانی نے پوچھا۔

"وہ معمر آدمی یہاں کا ایک کامیاب ترین ایڈووکیٹ ہے۔ اس سے زیادہ کسی کی بھی پریکٹس نہیں چلتی۔ جمشید کیانی نام ہے اور ایک لنگڑا آدمی ہے۔ اس کا تعاقب نہیں کر سکا تھا کیونکہ جمشید کیانی مجھے اس سے زیادہ اہم معلوم ہوتا ہے۔"

"آخر عمران وہاں کیا کر رہا ہے۔ اب اُس پر بھی نظر رکھنی پڑے گی۔ ورنہ ہو سکتا ہے وہ کھیل ہی بگاڑ دے۔"

"کیا مطلب۔"

"ہمارے معاملات میں پہلے ہی سے اُس کی ٹانگ اڑی رہتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم اُسی کے تحت کام کر رہے ہیں۔"

"یار اب تو کھلنے لگی ہے یہ بات۔"

"کیوں....؟"

"وہ صرف ایک ایجنٹ ہے۔ آخر ایکس ٹو ہم میں سے کسی کو انچارج کیوں نہیں بناتا۔"

"ختم کرو۔" خاور جماہی لے کر بولا۔

"نہیں میں بڑی شدت سے بور ہوتا ہوں اکثر اس مسئلے پر۔" نعمانی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔



ساجدہ حبیب کو جوزف کی حرکتوں پر غصہ نہیں آتا تھا۔ البتہ صفدر پر ہنسی آتی تھی جب وہ جوزف پر دانت پیستا تھا۔

جوزف کا معمول تھا کہ جب تک صفدر کمرے میں رہتا وہ باہر پہرے کے سپاہی کی طرح "ایٹ ایز" کھڑا نظر آتا اور اس کی عدم موجودگی میں ساجدہ حبیب کے ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا۔

اس وقت بھی صفدر کہیں باہر گیا تھا۔ ساجدہ تنہا تھی اور جوزف اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر بیٹھا خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔

ساجدہ سویٹر بن رہی تھی۔ جوزف کبھی کبھی اُس کے ہاتھوں کو غور سے دیکھنے لگتا۔ ایک بار ساجدہ نے بھی اُسے اپنے ہاتھوں کی طرف گھورتے ہوئے دیکھ لیا اور ہنس کر بولی۔ "کوئی بدروح تو نہیں منڈلا رہی ان ہاتھوں پر۔"

"میں یہ نہیں دیکھ رہا۔" جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"پھر کیا دیکھ رہے ہو۔"

"کچھ بھی نہیں مسی.... اپنا کام کرو۔"

"تم آخر اتنے چڑچڑے اور کٹکھنے کیوں ہو۔"

"میرے حصے کی خوش مزاجی بھی باس ہی کو مل گئی ہے۔"

"اچھا مجھ سے اپنے باس کے بارے میں باتیں کرو۔" ساجدہ نے اُون کا گولا اور سلائیاں ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا باتیں کروں۔"

"تم اُس کے سامنے کیوں بھیگی بلی بنے رہتے ہو۔"

"اکثر انتہائی خوش مزاج آدمیوں کو بھی غصہ آجاتا ہے۔"

"تم اُس سے ڈرتے ہو۔" ساجدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ ڈرنے ہی کی چیز ہے مسی۔"

"ارے جاؤ.....!" ساجدہ ہنس پڑی۔

"یقین کرو مسی اُسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔"

"اور جاننے والوں میں سے ایک تم بھی ہو۔"

"ہاں میں جانتا ہوں انہیں۔"

"اچھا بتاؤ اُس کی نظروں میں کسی کی اہمیت بھی ہے یا نہیں۔"

"ان کی نظر میں خود ان کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔"

"وہ خود کو احمق کیوں پوز کرتا ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔" جوزف نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"پھر کیا جانتے ہو۔"

"کچھ بھی نہیں۔ خاموش رہو۔ یا کوئی اور بات کرو۔"

دفعتاً دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ جوزف نے اٹھ کر دروازے کے قریب سے غراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "کون ہے؟"

"ویٹر نمبر گیارہ جناب۔" باہر سے آواز آئی۔

"کیا چاہتے ہو۔"

"مجھے بلایا گیا ہے جناب.....!"

"کس نے بلایا ہے۔"

"اسی کمرے سے کسی نے فون کیا تھا؟"

"بھاگ جاؤ کسی نے نہیں بلایا۔"

"بہت بہتر جناب۔"

اور پھر جوزف قدموں کی دور ہوتی ہوئی چاپ کی طرف کان لگائے رہا۔

"یہاں سے تو کسی نے بھی فون نہیں کیا تھا۔" ساجدہ بولی۔

"مجھے باہر ہی ٹھہرنا چاہئے۔" جوزف سر ہلا کر بولا۔

"کیوں کیا تم کسی قسم کا خطرہ محسوس کر رہے ہو۔"

"ہم یہاں تفریحاً تو نہیں آئے مسی۔ باس نے کسی مقصد ہی کے تحت بھیجا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تمہاری کہانی کیا ہے۔"

"مم.... میری کوئی کہانی نہیں ہے۔"

"ہو بھی تو مجھے کیا۔" جوزف نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

دروازہ کھول کر وہ باہر نکلا لیکن قبل اس کے کہ معاملے کی نوعیت سمجھ میں آتی سر پر قیامت گذر گئی۔ دو وزنی موگریاں یکے بعد دیگرے اتنی تیزی سے سر پر پڑی تھیں کہ وہ ایک کی بھی چوٹ نہ بچا سکا۔

حملہ آور دروازے کی دونوں جانب دیوار سے چپکے کھڑے تھے۔

جوزف کسی قسم کی آواز نکالے بغیر بے حس و حرکت ہو گیا۔ دروازے کے دونوں پاٹ کھل گئے تھے اور ساجدہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑی تھی۔ حملہ آوروں میں سے ایک نے اس سے کہا۔ "میرا داہنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں ہے۔ انگلی بے آواز ریوالور کے ٹریگر پر ہے.... باہر نکلو اور بائیں جانب چلتی رہو۔"

"لل.... لیکن....!"

"خاموش.... چلو....!"

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے باہر آئی۔ جوزف بے حس و حرکت پڑا نظر آیا۔

"بائیں طرف چلو....!" پھر کہا گیا۔

پوری راہداری سنسان پڑی تھی۔ وہ جلد ہی تیسری منزل کے زینے طے کر رہے تھے۔ اگر کوئی راہ میں بھی مل جاتا تو اُسے ذرہ برابر بھی کسی قسم کا شبہ نہ ہو پاتا کیونکہ ساجدہ ان دونوں سے کافی فاصلے پر چلتی رہی تھی.... یہ سوچ کر اُس کا دل ڈوب رہا تھا کہ وہ بالآخر پہچان لی گئی۔

تیسری منزل پر پہنچ کر دھمکی دینے والا اُس سے کسی قدر قریب ہوتا ہوا بولا۔

"کمرہ نمبر اٹھاون میں چلو۔"

وہ کھلے ہوئے دروازے میں مڑ گئی۔ اُس کے پیچھے وہ دونوں بھی کمرے میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کر دیا گیا۔

اب دھمکی دینے والے کی جیب سے ریوالور بھی نکل آیا تھا۔ اُس نے اُس کا رخ ساجدہ کی طرف کیا ہی تھا کہ دوسرا بول اٹھا۔ "ٹھہرو.... فائر نہ کرنا۔"

"کیوں....!" پہلا غرایا۔

"پتہ نہیں یہ ساجدہ حبیب ہے بھی یا نہیں۔"

"وہی ہے۔ تصویر نکالو اور آنکھوں کی بناوٹ ملالو۔ محض ناک اور دہانے کے پلاسٹک میک اپ سے کیا ہوتا ہے۔ پیشانی کی بناوٹ دیکھو۔"

"کچھ بھی سہی.... اس طرح مار ڈالنے سے کیا فائدہ....؟"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ زندہ رکھ کر ہی کیا کریں گے۔"

"احمق آدمی اس کے علاوہ اور کون عمران کا پتہ بتا سکے گا۔"

"اوہ ٹھیک ہے۔ لیکن کیا تمہیں اس حکم کا علم نہیں ہے کہ اگر نہ بتائے تو فوراً گولی مار دی جائے۔"

"مجھے علم ہے اور تم شاید یہ بھول رہے ہو کہ بتا دینے کی صورت میں اگر یہ بے گناہی بھی ثابت کر سکے تو زندہ رہے گی۔"

"مجھے سب معلوم ہے تم خاموش رہو۔" ریوالور والے نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور ساجدہ سے پوچھا۔ "بتاؤ عمران کہاں ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔ یقین کرو۔"

"یہاں آنے کا مقصد ہی بتا دو۔"

"میرے خیال سے وہ اس طرح انجمن کے سربر آوردہ لوگوں کا پتہ لگانا چاہتا ہے۔"

"بھلا کس طرح۔"

"اس طرح کہ میں اس میک اپ میں پہچان لی جاؤں گی اور انجمن والے مجھے مار ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے لئے انہیں بہر حال سامنے آنا پڑے گا۔"

"تو اس نے تمہیں قربانی کا بکرا بنایا ہے۔"

"اب اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتی ہوں جبکہ اتنی آسانی سے پہچان لی گئی۔ مجھے مل جائے تو خود بھی اس کی ہڈیاں چبا ڈالوں۔"

"اُلو بنا رہی ہو ہمیں۔"

"یقین کرو۔ میں نے زبردست دھوکا کھایا ہے۔ دراصل اُسے انجمن ہی کا کوئی رکن سمجھ بیٹھی تھی۔ پروفیسر کے قتل کے بعد میں ضروری کاغذات نکال لانے کی فکر میں تھی۔ جہاں چھپی تھی وہیں وہ بھی موجود تھا۔ اس طرح کی باتیں کیں اُس نے کہ میں اُسے عادل آباد شاخ کا صدر سمجھ بیٹھی۔ پھر اُس نے میرے اور مقامی سیکریٹری کے درمیان اس قسم کی غلط فہمیاں پیدا کر دیں کہ میں انجمن کی طرف سے بھی بُری بن گئی۔ پھر بتاؤ میں اپنی جان بچانے کے لئے کیا کرتی۔"

"اس کے باوجود بھی تم نے کاغذات تک اُس کی رہنمائی کی تھی۔"

"پھر میں کیا کرتی۔ انجمن کی نظر میں تو میں غداری کی مرتکب ہو ہی چکی تھی۔ حالانکہ ایسا نہ پہلے تھا اور نہ اب ہے۔"

"تو پھر اپنی وفاداری کا ثبوت دو....!"

"کہہ تو رہی ہوں کہ میں نہیں جانتی۔ نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہے۔ مجھے صفدر اور جوزف کے ساتھ یہاں بھیج کر دوبارہ نہیں ملا۔"

"یہ تو بتایا ہی ہوگا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

"کچھ بھی نہیں.... قطعی نہیں۔"

"پھر سوچ لو.... ہم تمہیں گولی مار سکتے ہیں۔"

"جو تمہارا دل چاہے کرو... میں موت سے نہیں ڈرتی۔ تم کیا ہو۔ تمہاری حقیقت کیا ہے؟"

"کیا مطلب....؟"

"میں ایک ٹانگے والے کی بیٹی ہوں۔ گھوڑے نہیں ملتے تو آدمیوں کو ہانک کر رکھ دیتی ہوں۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ غرایا۔

ساجدہ ہنس پڑی۔ اب وہ انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُن دونوں کی آپس کی گفتگو سے اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ زیادہ ذہین لوگ نہیں ہیں۔ انہیں بہ آسانی اُلو بنا سکے گی۔ یہ احمق اُسے بچوں کی طرح ٹریٹ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ انہیں جھکائی دینے کی ترکیبیں سوچنے لگی۔

"تم ایسی ہی معلوم ہوتی ہو۔" دوسرے نے دانت پر دانت جما کر کہا۔ "ذرا اپنی اصلی شکل تو

دکھاؤ۔"

"میں نہیں جانتی کہ یہ میک اپ کیسے ختم ہوگا۔" اُس نے جھنجھلا کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔ اس کا انتظام پہلے ہی کر چکے ہیں ہم لوگ۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ اُس کا اندازہ تھا کہ اُن دونوں میں سے ایک قطعی طور پر رام کیا جاسکتا ہے۔ پہلا آدمی الماری کھول کر کچھ تلاش کرنے لگا اور دوسرا ساجدہ کو گھورتا رہا۔ اسی کے متعلق اس کا خیال تھا کہ قابو میں کیا جاسکتا ہے۔

"انجمن نے مجھے غدار قرار دے کر اپنا ہی نقصان کیا ہے۔" ساجدہ آہستہ سے بولی لیکن آواز اتنی دھیمی بھی نہیں تھی کہ پہلا نہ سن سکتا.... وہ بھی مڑ کر ساجدہ کو گھورنے لگا تھا۔

"خاموش کیوں ہو گئیں.... بولتی رہو۔ تمہاری آواز کانوں کو بھلی لگتی ہے۔" اُس نے کہا۔

"میں غداری کی مرتکب نہیں ہوئی ہوں۔ انجمن ہی کے ارکان نے مجھے ان لوگوں کے پنجے میں پھنسایا ہے۔ میں عمران سے واقف نہیں تھی۔ صرف اُس کا نام پروفیسر کی زبانی سنا تھا۔ عمران نے خود کو عادل آباد شاخ کا صدر ظاہر کر کے مجھے دھوکا دیا میں اسے مقامی سیکریٹری کے پاس لے گئی۔ اُس نے عمران کو پہچان لیا۔ میں اُسے کسی طرح بھی یقین نہ دلا سکی کہ عمران کو اُس حیثیت سے نہیں جانتی جو انجمن کے مفاد کے خلاف تھی۔ پھر وہاں جھگڑا ہوا اور میں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ عمران ہی کے ساتھ چلی جاؤں۔ میں اب بھی انجمن کی وفادار ہوں۔ میں ان لوگوں میں رہ کر بھی انجمن کی پھر خدمت کر سکتی ہوں۔"

ساجدہ خاموش ہو کر ان کے چہروں پر اپنی گفتگو کا ردعمل تلاش کرنے لگی۔ وہ دونوں ہی کسی گہری سوچ میں معلوم ہوتے تھے۔

کچھ دیر بعد پہلے نے کھکار کر کہا۔ "ہوں.... اوں.... بات تو قاعدے کی ہے۔ لیکن ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے۔"

"کیوں....؟"

"ہم سے صرف اتنا ہی کہا گیا تھا کہ تمہیں قابو میں کر کے عمران کا پتہ معلوم کریں۔"

"میں بتا دیتی لیکن فی الحال مجھے خود علم نہیں ہے۔"

"ہمیں تمہارے متعلق دوسرے احکامات حاصل کرنے پڑیں گے۔"

"کچھ کرو بھی خدارا جلدی سے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ان دنوں سکھ کی نیند سو سکی ہوں گی۔"

دونوں پُر فکر انداز میں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔

ساجدہ باری باری سے انہیں گھورے جا رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ تیر شاید نشانے پر بیٹھا ہے۔ لہٰذا پھر بولی۔

"میں خود ہی اس فکر میں ہوں کہ کسی طرح مجھے اس مردود کا پتہ نشان معلوم ہو سکے۔ میری مٹی پلید کر کے رکھ دی اُس نے۔ لیکن وہ بھی کیا یاد کرے گا۔"

"کیا یاد کرے گا۔" پہلے نے پوچھا۔

"اگر یہ میری زندگی کا آخری دن نہیں ہے تو خود ہی دیکھ لینا۔"

"ختم کرو یہ قصہ.....!" دوسرے نے پہلے سے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ یہ لڑکی جھوٹ نہیں بول رہی۔"

"پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

"دوسرے احکامات تک ہمیں اسے یہیں روکنا چاہئے۔"

"اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہ ہمیں دھوکا نہیں دے گی۔"

"کیوں.....؟" دوسرے نے ساجدہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میں اب ان لوگوں میں واپس نہیں جانا چاہتی۔"

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔ اُن کے چہروں پر ایسے آثار تھے جیسے جلد سے جلد کوئی فیصلہ کرنا چاہتے ہوں لیکن عقل رہنمائی نہ کر رہی ہو۔



نعمانی نے جوزف کو فرش پر بیہوش پڑے دیکھا تھا۔ لیکن وہ اس کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا کہ ہوٹل کے ذمہ داروں کو اس کی اطلاع پہنچا کر خود قطعی بے تعلق ہو جاتا۔

اس کے بعد اُسے تیسری منزل کے کمرہ نمبر اٹھاون کی نگرانی شروع کر دینی پڑی تھی۔

وہ دونوں ساجدہ کو اندر لے گئے تھے اور پھر کچھ دیر بعد وہ باہر بھی نکل آئے تھے۔ کمرہ مقفل کیا تھا اور کہیں چلے گئے تھے اور وہ اب یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھا کہ ساجدہ پر کیا

گزری۔ اس طرح کمرہ بند کر کے چلے جانے کا مطلب تو یہی تھا کہ یا تو انہوں نے اُسے بے بس کر دیا ہے یا پھر قتل۔

ایکس ٹو کی طرف سے کسی معاملے میں دخل اندازی کی اجازت نہیں ملی تھی۔ صرف نگرانی کرنے اور رپورٹ دینے کے لئے کہا گیا تھا۔

زرد رنگ کے کاغذ پر کوڈ ورڈز میں رپورٹ لکھی جاتی تھی اور پھر وہ کاغذ توڑ مروڑ کر ہوٹل کے ایک مخصوص ڈسٹ بن میں ڈال دیا جاتا۔ اسکے بعد اُن میں اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اس ڈسٹ بن کی نگرانی بھی کر سکتے۔ یہ دیکھتے کہ انکی مرتب کردہ رپورٹ ایکس ٹو تک کیسے پہنچتی ہے۔

اُس نے خاور کو راہداری کے سرے پر رکنے کا اشارہ کیا اور خود کمرہ نمبر اٹھاون کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اِدھر اُدھر دیکھ کر قفل کے سوراخ سے آنکھ لگادی۔ سامنے ہی ساجدہ نظر آئی لیکن اس حال میں کہ ہاتھ پیر کرسی کے پایوں اور ہتھوں سے جکڑ دیئے گئے تھے اور منہ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ کبھی آنکھیں کھل جاتیں اور کبھی وہ انہیں طویل وقفے کے لئے بند کر لیتی۔

نعمانی نے قفل کے سوراخ سے آنکھ ہٹالی اور زینوں کی طرف بڑھا۔

"کیا بات ہے۔" خاور نے بھی زینوں کی طرف مڑتے ہوئے پوچھا۔

"زندہ ہے۔ لیکن وہ اُسے کرسی سے باندھ گئے ہیں اور منہ پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔"

"تب تو زبردست غلطی ہے۔ غالباً وہ اُس کے لئے کسی سے احکامات لینے گئے ہیں اُن کا تعاقب کیا جانا ضروری تھا۔"

"یہ بھی ممکن ہے کہ کفن دفن کا انتظام کرنے گئے ہوں۔" نعمانی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "لیکن تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ کسی سے احکامات لینے گئے ہوں۔ کیا تم اس سلسلے میں کچھ زیادہ جانتے ہو۔ مجھے تو اس سب کے مقصد کا علم نہیں۔"

"عقل کو تھوڑی سی جنبش دینے پر سب کچھ سمجھا جاسکتا ہے۔ ہمیں صرف ان کی نگرانی کرنے کو کہا گیا ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ساجدہ میک اپ میں ہے لیکن صفدر اور جوزف کیلئے لازمی قرار نہیں دیا گیا ہم دونوں بھی میک اپ ہی میں ہیں ساجدہ کا میک اپ میری دانست میں مکمل نہیں ہے۔ وہ اپنی پیشانی اور آنکھوں کی بناوٹ سے صاف پہچانی جاسکتی ہے۔ ایسی صورت

میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ایکس ٹو نے کسی بڑی مچھلی کے لئے یہ چارہ لگایا ہے۔"

نعمانی کچھ نہ بولا۔ وہ زینے طے کر کے نچلی منزل کی طرف جا رہے تھے۔ دوسری منزل پر پہنچ کر اُس نے پوچھا۔ "جوزف کو کہاں لے گئے ہیں۔"

"غالباً ہسپتال.... سر پھٹ گیا ہے۔"

"ہوش آگیا تھا....؟"

"کسی قدر.... اور وہ بڑبڑا رہا تھا کہ خون بہہ جانے کی وجہ سے نشہ اکھڑ گیا ہے۔ تھوڑی سی پی لینے دو.... پھر کہیں لے چلو۔"

"پتہ نہیں کیا چکر ہے۔ ادھر وہ اس قسم کی حرکتیں کر تا رہا ہے کہ ہوٹل میں اُس کی خاصی شہرت ہو گئی ہے۔"



اُس کے لئے دوپہر کا کھانا وہ خود ہی لائی تھی۔ لیکن پراسرار ڈرائیور نے اس پر ذرہ برابر بھی حیرت ظاہر نہ کی۔ بالکل اسی طرح اکڑا بیٹھا رہا جیسے خلاف توقع کوئی بات نہ ہوئی ہو۔ صبیحہ اُس کے رویہ پر جھنجھلا گئی۔

"اَب اٹھ کر سنبھالو ٹرے.... یا میں یونہی لئے کھڑی رہوں گی۔"

"اُودب.... اچھا....!" وہ اٹھتا ہوا بولا اور کھانے پر نظر پڑتے ہی ایسا بُرا سامنہ بنایا جیسے اوبکائی روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔

کیوں؟ کیا بات ہے؟" صبیحہ نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"پھر وہی ارہر کی دال...." ڈرائیور بسور کر بولا۔ "وہ بھی برداشت کی جاسکتی ہے اگر لہسن کا بگھار نہ لگا ہوا ہو۔"

"بڑے لاٹ صاحب ہو۔"

"اور میں ہر کھانے کے بعد پڈنگ پسند کرتا ہوں۔ وہ نہ ہو تو کسٹرڈ فروٹ ہی سہی۔"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"شراب قطعی نہیں پیتا.... البتہ تفنن طبع کیلئے چیونگم یا کوکا کولا۔ سے شوق کر لیتا ہوں۔"

"ٹرے سنبھالو.....!"

"اس طرح ٹرے لئے پھرنا بھی تمہارے لئے مناسب نہیں۔" ڈرائیور نے ٹرے لے کر اسٹول پر رکھتے ہوئے کہا۔ "بنگلے سے اس کوٹھری تک ایک پختہ روش بنانی چاہئے تاکہ میرا کھانا ٹرالی پر لایا جاسکے۔"

"تمہیں دھکے دلوا کر نکال ہی نہ دیا جائے۔"

"دھکے کے بغیر نہیں اسٹارٹ ہوگی۔ بیٹری ڈاؤن ہے۔ گاڑی رننگ میں تو رہتی نہیں۔"

"جلدی کھاؤ.... مجھے یونیورسٹی جانا ہے۔"

"یہی تو میں کہوں کہ دوپہر کا کھانا گیارہ بجے ہی کیسے آگیا۔" اُس نے کھاٹ پر بیٹھ کر اسٹول اپنی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔ پھر سالن کا نوالہ لیا ہی تھا کہ منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"اب کیا ہے.....!" وہ جھلا کر بولی۔

لیکن وہ کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف جھپٹا اور دوسرے ہی لمحے میں نوالہ تھوک کر بُری طرح منہ پیٹ رہا تھا۔

"ارے مر گیا.... اتنی مرچیں.... ہائے.... سوسوسو.... ارے.... پپ.... پانی.... سی سی سی سی۔"

"اَب میں پانی بھی پلاؤں گی تمہیں؟" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"میں ہی پی لوں گا۔ مگر یہ کھانا میرے دادا تک کو قبر سے اکھاڑ لانے کے لئے کافی ہوگا۔"

"تم دفع ہو جاؤ یہاں سے اتنے نخرے نہیں برداشت کئے جاسکتے۔"

"ارے تو میں کچھ کہہ رہا ہوں.... روکھی چپاتیاں پانی کے گھونٹوں سے اتار لوں گا۔"

"جہنم میں جاؤ۔" وہ کوٹھری سے نکلتی ہوئی بولی۔ "میں ابھی آرہی ہوں۔ گاڑی نکالو۔"

عجیب آدمی تھا۔ اس طرح ملازمت حاصل کی اور اب اس طرح دھونس جما رہا ہے۔ کیسے پیچھا چھوٹے گا اس سے.... کہیں کچھ دنوں کے بعد بلیک میل نہ کرنا شروع کردے.... وہ سوچتی ہوئی کمرے میں آئی۔

نوٹس کا فائیل اٹھایا اور پھر وہ لفافہ اٹھانے کے لئے جھکی جو فائیل سے گرا تھا۔ سبز رنگ کا لفافہ.... وہ سوچنے لگی کہ اس نے تو کوئی لفافہ فائیل میں نہیں رکھا تھا۔ پھر یہ کہاں سے آیا۔

لفافے پر کچھ تحریر نہیں تھا۔ دبازت بتاتی تھی کہ اندر بھی کاغذ موجود ہے۔ لفافہ کھلا ہوا بھی نہیں تھا۔ وہ چند لمحے اُس کے متعلق سوچتی رہی۔ شائد کبھی رکھ کر بھول گئی ہو.... لیکن کبھی اُس نے سبز رنگ کے لفافے استعمال نہیں کئے تھے۔

پھر اس نے کھول ہی ڈالا۔ اندر سے انگریزی حروف میں ٹائپ کیا ہوا خط بر آمد ہوا۔

"صبیحہ .... میں تمہارے جرم سے واقف ہوں.... سہیل کو مرنے سے قبل ہوش آگیا تھا۔ اس نے اپنے بیان پر خود دستخط کئے تھے۔ اس کا بیان میرے پاس محفوظ ہے۔ بیان اُسی کی آواز میں ریکارڈ بھی کیا گیا تھا۔ ٹیپ میرے پاس محفوظ ہے۔ یہ دونوں چیزیں عدالت میں تمہارے خلاف استعمال کی جاسکتی ہیں۔ اسے کبھی نہ بھولنا.... فی الحال رخصت۔ تم اب پوری طرح میری مٹھی میں ہو۔"

صبیحہ کے ہاتھ کانپے اور خط چھوٹ پڑا.... سر چکرانے لگا۔ میز کا سہارا نہ لیتی تو گر ہی پڑی ہوتی۔ کئی منٹ تک وہ میز کے گوشے پر ہاتھ ٹکائے جھکی کھڑی رہی....!

تو وہی ہوا.... اس مردود نے آخر کار بلیک میلنگ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اب کیا ہوگا۔ اب تو میں واقعی اُس کی مٹھی میں ہوں۔ کاش مجھ سے وہ شرارت سرزد نہ ہوتی۔ ماں کا جی جلایا تھا.... یااللہ معاف کر دے.... سزا نہ دیجیو.... میرے مالک۔ وہ سوچتی رہی پھر پے در پے ہارن کی آواز سن کر چونکی۔ دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ لفافہ فائیل میں رکھتی ہوئی باہر نکل آئی۔ لیکن قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

وہ اسٹیئرنگ پر بیٹھا نظر آیا۔ کتنا خوفناک لگ رہا تھا اس وقت۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک نے چہرے کو پہلے سے زیادہ بھیانک بنا دیا تھا۔

وہ پچھلی سیٹ پر نیم مردہ سی گر گئی۔

کار پھاٹک سے نکل کر سڑک پر آگئی تھی۔ ڈرائیور خاموشی سے اسٹیئرنگ کرتا رہا۔ صبیحہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اگر اس کے بارے میں پولیس کو اطلاع دیتی تو خود اس کی ذات بھی اس معاملے میں ملوث ہو کر رہ جاتی۔ خاموشی اختیار کرنے کی صورت میں نہ جانے کیا حشر ہو.... آخر یہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ لیکن وہ وہاں اپنی مرضی سے کب آیا تھا۔

خود اس کے ملازمین پکڑ لائے تھے۔ لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی آمد کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوئی ہو۔ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ کیا براہِ راست اُس سے گفتگو شروع کر دے؟

پھر اُسے سہیل یاد آیا۔ جو اُس کا تعاقب کیا کرتا تھا۔ کیسے مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ جسے اس نے ٹھوکروں پر رکھ کر موت ہی کی طرف دھکیل دیا؟ لیکن کون جانے یہ بھی محض فراڈ ہو۔ سہیل زندہ ہو۔

صبیحہ کی الجھن بڑھتی رہی۔ پھر اُسے اس پر غصہ آنے لگا۔ اُس نے سوچا جو کچھ ہونا ہوگا ہو کر رہے گا اس سے دو دو باتیں تو ہو ہی جائیں۔

کار یونیورسٹی والی سنسان سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

"سڑک کے کنارے لگا کر گاڑی کھڑی کر دو۔" دفعتاً اُس نے اپنے لہجے میں سختی پیدا کر کے کہا۔

رفتار کم ہو گئی اور گاڑی سڑک کے کنارے جا لگی۔ لیکن ڈرائیور نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اسٹیئرنگ پر جھکا بیٹھا رہا۔

"میں تم سے خائف نہیں ہوں.... سمجھے....!" صبیحہ غرائی۔

"نہ میں شیر نہ بھیڑیا.... پھر خائف ہونے کا کیا سوال؟" جواب ملا۔

"سنجیدگی سے گفتگو کرو۔"

"بالکل سنجیدہ ہوں۔"

"تم مجھے بلیک میل نہ کر سکو گے۔ میں کسی چیز سے بھی نہیں ڈرتی۔ بدنامی یا نیک نامی کا خیال بزدلوں کو آیا کرتا ہے۔"

"اطلاع پا کر خوشی ہوئی.... اور کچھ....؟"

"شٹ اپ یو ڈرٹی سوائین۔"

"انگریزی میں گالیاں بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ البتہ اردو کی بات دوسری ہے۔ تمام کوائف کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔"

"میں کہتی ہوں خاموش رہو۔" وہ غصہ سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔

"تم گالیاں دیئے جاؤ اور میں پسندیدگی کا اظہار بھی نہ کروں۔"

"تو تم انگریزی سمجھ لیتے ہو۔" وہ اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"جرمن اور فرانسیسی بھی۔"

"لیکن تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے۔"

"بہت دیر سے تم بلیک میل کی رٹ لگائے ہو لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ اچھوتا خیال آیا کیسے۔"

"اُس کے قاتل تم خود ہو۔ میں نہیں.... میں نے تم سے مدد بھی نہیں مانگی تھی۔"

"میرے خدا.... میں اپنا سر کہاں دے ماروں....؟"

"مکاری کی باتیں مجھ سے نہیں چلیں گی۔ تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔"

"اب اگر تم اصل معاملے کی طرف نہ آئیں تو میں خود اپنا حلیہ بگاڑ کر رکھ دوں گا۔"

"مجھے اس خط کا مقصد بتاؤ۔"

"کس خط کی بات کر رہی ہو؟"

"جو تم نے میرے فائیل میں رکھ دیا تھا۔"

"میں نے تمہارے کسی فائیل میں کوئی خط نہیں رکھا۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"فائیل کہاں تھا تمہارا۔"

"میرے سونے کے کمرے میں۔"

"میرا خیال ہے کہ پرسوں رات کے علاوہ میں بنگلے کے اندر نہیں گیا۔"

صبیحہ نے سوچا یہ بات تو ٹھیک ہی ہے۔ اسٹور روم سے رہائی کے بعد سے وہ بنگلے کے اندر پھر کبھی نہیں گیا تھا۔ لیکن کیا پتہ گھر کا کوئی ملازم بھی تو اس کا مددگار بن سکتا ہے۔ مفت ہاتھ آنے والے پیسوں میں بڑی قوت ہوتی ہے۔

"تم نے میرے کسی ملازم کو بھی بد طینت بنادیا ہوگا۔"

"وہ تو سبھی صورت حرام اور بد طینت ہیں....!"

"تو تم نے ایسے ہی بد طینت کے ذریعہ وہ خط میرے فائیل میں رکھوایا تھا۔"

"میں نے اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کی۔ کیا میں تم سے کوئی زبانی بات نہیں کہہ سکتا۔"

"تو یہ لفافہ تم نے نہیں رکھوایا تھا۔" اُس نے فائیل سے سبز رنگ کا لفافہ نکال کر اُسے

دکھاتے ہوئے کہا۔ ڈرائیور نے پُر تشویش انداز میں سر کو منفی جنبش دی لیکن لفافہ اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھنے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔

"دیکھو....!" صبیحہ نے لفافہ اگلی سیٹ پر ڈال دیا۔

ڈرائیور نے لفافے سے خط نکالا اور اُسے بآواز بلند پڑھنے لگا۔

صبیحہ حیرت سے سن رہی تھی۔ لہجہ اور تلفظ سے معلوم ہو رہا تھا جیسے واقعی اُس کی تعلیم بڑے سلیقے سے ہوئی ہو۔

خط ختم کرنے کے بعد اُس نے ایک طویل سانس لی اور مڑ کر صبیحہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"بھلا مجھے اس کی کیا ضرورت تھی۔ جب کہ وہ میری ہی ضربات کی وجہ سے مرا ہوگا۔"

"پڑھے لکھے بدمعاشوں کی بنائی ہوئی اسکیمیں دوررس ہوتی ہیں۔ میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی کہ تمہیں اس سے کیا فائدہ پہنچے گا۔ جب کہ میں اس کا اعتراف کر سکتی ہوں کہ وہ میری موجودگی ہی میں پٹا تھا اور جس نے پیٹا تھا وہی مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے... اس سے یہی تو ثابت ہوتا ہے نا کہ اس خط کا تعلق میری ذات سے نہیں۔"

صبیحہ کچھ نہ بولی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اُسے کیا کہنا چاہئے۔

دفعتاً ڈرائیور نے کہا۔ "گھر واپس چلو۔"

"کیوں....؟"

"میں دیکھوں گا کہ یہ خط تمہارے کمرے تک کس ذریعہ سے پہنچا ہوگا.... ہاں.... آج کوئی باہری آدمی بھی آیا تھا؟"

"نہیں کوئی بھی نہیں۔"

"تب تو تمہارے تینوں ملازموں میں سے کوئی ہو سکتا ہے۔"

"پتہ نہیں۔"

"تمہارے چھوٹے بھائی بہن تو تمہارے لئے دوسروں کے خطوط نہیں لاتے رہے۔"

"جی نہیں۔" وہ کھسیا کر غصیلے لہجے میں بولی۔ "عشق کرنا ہوگا تو علانیہ کروں گی۔"

"شاباش شاباش... عمر دراز... لیکن ہو سکتا ہے کہ بچوں ہی میں سے کسی کو ورغلایا گیا ہو۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"تو پھر چلو واپس۔"

"جیسا جی چاہے.....!"

"لیکن اتنی جلدی واپسی کا جواز کیا پیش کرو گی۔"

"پروفیسر پیچش میں مبتلا ہیں۔ کلاس نہیں لیں گے۔"

"سبحان اللہ سبحان اللہ.....اچھی بات ہے۔"

ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کر کے یوٹرن لیا اور گاڑی پھر گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ دونوں ہی خاموش تھے۔ بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا۔

گھر پہنچ کر گاڑی سے اترتے ہوئے صبیحہ نے آہستہ سے پوچھا۔ "کیسے پتہ لگاؤ گے۔"

"تمہاری دانست میں تمہارے ملازمین میں سب سے زیادہ خبیث کون ہے۔" ڈرائیور نے سوال کیا۔

"مجھے سبھی خبیث معلوم ہوتے ہیں۔"

"اچھا تو تینوں خبیثوں کو کسی بہانے سے میرے پاس بھیج دو۔"

"کیا کرو گے تم.....!"

"اُگلواؤں گا اُن سے.....اور تم صرف آدھے گھنٹے کیلئے میری کوٹھری سے دور ہی رہنا۔"

صبیحہ اندر چلی آئی۔ پہلے ایک ملازم کو بلا کر اُس سے کہا کہ وہ ڈرائیور کو بلا لائے پھر دس منٹ بعد دوسرے کو بھیجا اور ان دونوں کی واپسی کی منتظر رہی لیکن اُن میں سے کوئی بھی نہ پلٹا۔

پندرہ منٹ بعد تیسرے کو روانہ کیا۔

پورا ایک گھنٹہ گذر گیا۔ لیکن ان میں سے کسی کی بھی واپسی نہ ہوئی.....اُس نے سوچا اب خود ہی چل کر دیکھنا چاہیے۔

وہ کوٹھری جہاں ڈرائیور کا قیام تھا مہندی کی قد آدم باڑھ کی اُوٹ میں تھی اس لئے بنگلے کے برآمدے میں کھڑے ہوئے کسی آدمی کی نظر میں آئے بغیر وہ اُسکے دروازے تک پہنچ سکتی تھی۔

کوٹھری کا دروازہ بند ملا۔ اندر سے کنڈی چڑھادی گئی تھی۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑی سن گن لیتی رہی۔ لیکن اندر سے کسی قسم کی بھی آواز نہ آئی۔ پھر اسے دروازے کی جھری سے جھانکنا ہی پڑا۔

اندر کے حالات تشویش کن تھے۔ تینوں ملازموں کے ہاتھوں اور ٹانگوں میں ڈنڈے پھنسا کر

اس طرح باندھا گیا تھا کہ وہ جنبش بھی نہیں کر سکتے تھے۔ منہ میں کپڑا بھی نہ ٹھونس دیا گیا ہوتا تو وہ غل غپاڑہ مچا کر آسمان سر پر اٹھا لیتے۔

اور ڈرائیور سامنے والے جھلنگے پر انہیں کے رخ کروٹ لئے سو رہا تھا۔

صبیحہ چکرا گئی۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ آخر وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟

دفعتاً ایک ملازم کے حلق سے عجیب سی گھٹی گھٹی آوازیں نکلنے لگیں اور ڈرائیور نے اس طرح آنکھیں کھول کر دیکھا جیسے بچوں کے شور میں بھی گہری نیند سونے والے کسی عیال دار بوڑھے کے کانوں میں کوئی نئی آواز پڑی ہو۔

اُس نے سیدھے ہو کر پورا جسم تان لیا۔ لیٹے ہی لیٹے انگڑائی لی اور اٹھ کر اُس شور مچانے والے کو پُر تشویش نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔" ڈرائیور نے سر ہلا کر کہا۔ "میں سمجھ گیا۔ اس لئے تمہارے علاوہ اور سب کی چھٹی.... تم میں سے کوئی بھی دوسرے کے متعلق نہیں جانتا کہ میں نے اس سے کیا پوچھا تھا۔ لہٰذا اس کا تذکرہ کوئی کسی سے نہ کرے۔ ورنہ جان سے مار دوں گا۔ مجھے ڈپٹی صاحب نے گھر کی نگرانی کے لئے بھجوایا ہے۔ سمجھے۔"

پھر اُس نے اُن دونوں ملازموں کو آزاد کر دیا جنہیں صبیحہ نے بے حس و حرکت اور خاموش دیکھا تھا۔

"ایک ایک کر کے یہاں سے چلے جاؤ.... تمہارے کسی معمول میں فرق نہ آنا چاہئے سمجھے۔" ڈرائیور نے دونوں کو مخاطب کر کے کہا۔

صبیحہ نے سوچا اب وہ باہر نکلیں گے۔ لہٰذا اُن کی نظروں میں نہ آنا چاہئے۔ وہ قریب کی بے ترتیب جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گئی۔

کچھ دیر بعد اُس نے انہیں مالی کی کوٹھی سے نکلتے دیکھا۔ چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ آگے پیچھے چلتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

صبیحہ جھاڑیوں کی اوٹ سے نکل کر پھر دروازے کے قریب آگئی۔

جھری سے آنکھ لگائی ہی تھی کہ اندر سے ڈرائیور کی آواز آئی۔ "اب آپ بھی اندر آسکتی ہیں بی بی جی.... کنڈی نہیں لگی ہے۔"

وہ سناٹے میں آ گئی اور غیر ارادی طور پر ہاتھوں نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دیا۔ دونوں پاٹ کھل گئے۔ تیسرا ملازم بھی اب آزاد ہو چکا تھا۔ صبیحہ نے اُس پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور ڈرائیور کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"یہ ہے وہ ملازم جس نے لفافہ آپ کی فائیل میں رکھا تھا....؟" اُس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"کیوں....؟" صبیحہ اُس کی طرف مڑی لیکن وہ سر جھکائے کھڑا رہا۔ چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

"کس نے دیا تھا تمہیں وہ لفافہ۔" صبیحہ نے پھر کانپتی ہوئی آواز میں سوال کیا لیکن اس کا بھی جواب اُسے نہ مل سکا۔

"کسی نے دس روپیوں کے لئے اس سے یہ خدمت لی تھی۔" ڈرائیور نے خشک لہجے میں کہا۔

"کس نے....؟"

"اُسے پہچانتا نہیں۔" ڈرائیور بولا۔

"تم نے یقین کر لیا۔"

"یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسے یہاں سے جو تنخواہ ملتی ہے اس کے گذر اوقات کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ دس روپیوں کے لئے قتل بھی کر سکتا ہے یہاں تو صرف ایک خط رکھنا تھا اُس فائیل میں جسے تم عام طور پر استعمال کرتی ہو۔"

"میں اسے پولیس کے حوالے کر دوں گی۔"

"وہ اس سے کچھ وصول کر کے چھوڑ دیں گے.... ان بیچاروں کی تنخواہیں بھی اُن کے لئے ناکافی ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس بیچارے کو دس روپیوں کے نفع ہی میں رہنے دو لیکن پیارے کہیں تم بھی تو نبراسکا یونیورسٹی کے ایل ایل ڈی نہیں۔"

"فضول باتوں میں نہ پڑو.... اسے پولیس کے حوالے کر دو۔"

"نہیں اس کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ فوری طور پر یہاں سے منہ کالا کر جائے۔"

"کمبخت نمک حرام.... اتنے دنوں سے یہاں تھا۔"

ڈرائیور نے ہاتھ ہلا کر اُسے وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا اور وہ اسی طرح سر جھکائے ہوئے باہر نکل گیا۔ صبیحہ نے اُس کے پیچھے جانا چاہا تھا۔

"ٹھہرو۔"

"نہیں.... میں اُسے ضرور پٹواؤں گی۔"

"اور دوسروں کو اس کی وجہ بتاتے ہوئے یہ بھی بتاؤ گی کہ اُس خط کی نوعیت کیا تھی... کیوں؟"

صبیحہ کے قدم رک گئے وہ دم بخود کھڑی رہی۔ پھر بولی۔ "سمجھ میں نہیں آتا کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں اور اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔"



صفدر کو جوزف پر غصہ آرہا تھا۔ آخر کمرے میں بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔ بدستور دروازے ہی پر کھڑے رہ کر پہرہ دیتا رہتا۔

اُس نے جوزف سے بھی اس کی وجہ دریافت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اُس نے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا تھا۔ "مقدر مسٹر مقدر....!"

پھر صفدر نے کافی دیر تک اُس سے بات نہیں کی۔ جوزف کا سر زخمی تھا۔ ڈاکٹر کے بیان کے مطابق وافر مقدار میں خون ضائع ہو گیا تھا۔

جوزف والے واقعہ کا علم ہوٹل کے باشندوں کو ہو چکا تھا۔ لیکن یہ بات کسی کو بھی نہ معلوم ہو سکی کہ اسکے بعد کیا ہوا تھا۔ ساجدہ کی گمشدگی کے بارے میں صفدر نے بھی اپنی زبان بند ہی رکھی۔

جوزف اس وقت ہوٹل کے اُس کمرے میں تھا جہاں وبائی امراض کے شکار وقتی طور پر رکھے جاتے تھے.... اور پھر انہیں کسی ہسپتال میں منتقل کر دیا جاتا تھا۔

کچھ دیر بعد یہی مسئلہ جوزف کے لئے بھی پیدا ہو گیا۔ ہوٹل کے ذمہ داران کا اصرار تھا کہ اُسے پھر ہسپتال بھیج دیا جائے۔

"کیا میں مر رہا ہوں؟" جوزف نے سپروائزر سے جھلا کر پوچھا۔

"یہ میں کچھ نہیں جانتا مسٹر.... قانون بہر حال قانون ہے۔"

"نہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم کسی کالے آدمی کا وجود برداشت نہیں کر سکتے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔"

"میں یہاں سے کہیں نہ جاؤں گا سمجھے۔ کیا میں بیمار ہوں۔ جاؤ ان کا پتہ لگاؤ جنہوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ وہ یقینی طور پر دو آدمی تھے۔"

"پولیس پتہ لگائے گی۔ یہ میرے فرائض میں داخل نہیں۔"

"ہسپتال بھجوا دینا تمہارے فرائض میں داخل ہے؟"

سپروائزر جھنجھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ریٹا جبرائیل کمرے میں داخل ہوئی۔

"اے یہ کیا ہوا؟" اُس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں جوزف سے پوچھا۔

"وہی جواب تک ایسے حالات میں ہوتا آیا ہے۔" جوزف غرایا۔

"کیا بک رہے ہو.... میں کچھ نہیں سمجھی۔"

"تمہارے کسی سفید فام ہاتھی نے میرا سر پھاڑ دیا۔"

"بکواس ہے۔"

"یقین کرو.... مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے کسی دن تمہاری توہین کی تھی۔"

"کیا پولیس کو یہی بیان دیا ہے۔"

"اے مسٹر اب تم جاؤ۔" جوزف نے ہاتھ ہلا کر سپروائزر سے کہا۔

سپروائزر نے ریٹا کی طرف دیکھا اور ریٹا نے آنکھوں سے اشارہ کیا کہ وہ چلا جائے۔

"تم خواہ مخواہ میرا نام کیوں لے رہے ہو۔" ریٹا نے اُس کے چلے جانے کے بعد جوزف سے غصیلے لہجے میں پوچھا۔ "کیا تم نے حملہ آوروں کو پہچانا تھا۔"

"یہی تو مشکل ہے کہ پہچان نہیں سکا تھا۔ ورنہ اب تک یہاں خون کی ندیاں بہ جاتیں۔"

"پھر میرا نام کیوں لے رہے ہو۔"

"تمہاری نسل کے لوگ کینہ توز اور کمینے ہوتے ہیں۔"

"میں کہتی ہوں خاموش رہو۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

"اب اس سے بھی کیا بُرا ہوگا۔"

"میں خیریت دریافت کرنے آئی تھی اور تم یہ ذلالت لے بیٹھے۔"

"تو خیریت دریافت کرونا۔" جوزف نے خلاف توقع دانت نکال دیئے۔ اگر اُس کے جاننے والوں میں سے کوئی یہاں موجود ہوتا تو اُس کی آنکھیں فرط حیرت سے پھیل گئی ہوتیں۔ یہ جوزف تھا جو اتنی لگاوٹ کی نظروں سے ریٹا کو دیکھ رہا تھا۔

جوزف جو کسی عورت کے قرب کو ملک الموت کی ہم نشینی سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ اچانک اس

طرح بدل گیا تھا۔

"یہ سب کیسے ہوا۔"

"میں نہیں جانتا مسی۔ کسی نے دروازے پر دستک دی تھی۔ میں پانی پینے اندر گیا تھا۔ دروازہ کھول کر باہر کھوپڑی نکالی ہی تھی کہ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ کئی وار کیے گئے تھے۔" وہ خاموش ہو کر سر پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہاری دل دہلا دینے والی حرکتیں کسی کو گراں گذری ہیں۔"

"میں تو ایسی کوئی حرکت نہیں کرتا۔" جوزف نے تحیر آمیز معصومیت کا مظاہرہ کیا۔

"تم کرتے ہو..... جب بہت زیادہ پی جاتے ہو۔"

"پتہ نہیں.....!" جوزف ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں بہت بدقسمت آدمی ہوں۔ ماں باپ دونوں مر چکے ہیں۔"

"افسوس..... مجھے افسوس ہے۔" ریٹا نہ صرف سنجیدہ بلکہ کسی قدر رنجیدہ بھی نظر آنے لگی۔

"بچپن میں جن لوگوں کے ہاتھ پڑا تھا وہ مجھے جلتی زمین پر لٹا کر سینے پر پتھر رکھ دیا کرتے تھے۔"

"رہنے دو۔" ریٹا ہاتھ اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "ایسی باتوں سے مجھے دکھ ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے مسی۔" جوزف نے طویل سانس لی۔ "کون ہے اس دنیا میں جو میری رام کہانی سن کر میرے جی کا بوجھ ہلکا کرے۔"

"ضرور سنتی.....!" وہ کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتی ہوئی بولی۔ "لیکن تین منٹ بعد میری ڈیوٹی شروع ہو جائے گی۔"

"تم یہاں کیا کام کرتی ہو مسی۔"

"ٹیلی فون آپریٹر ہوں۔"

"اچھا کام ہے مسی..... تم میرے باس رانا کو نہیں جانتیں بڑا جابر آدمی ہے۔ کاش میں بھی ٹیلی فون آپریٹر ہوتا۔"

"تم ہوتے.....؟" ریٹا نے غالباً ہنسی روکنے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں ٹیلی فون آپریٹر..... گالیاں دینے والے سامنے تو نہیں ہوتے کہ اُن کا سر پھاڑ دینے کو جی چاہے۔"

"تو کیا رانا.... تمہیں گالیاں بھی دیتا ہے۔"

"ہاں مسی.... بہت گندی گندی۔ لیکن کیا کروں.... اب وہ میرا آقا ہے.... میرے پہلے آقا نے مجھے اس کے پاس رہن رکھا ہے۔"

"رہن رکھا ہے.... تم کو.... یعنی ایک آدمی کو.... یہ تو سراسر غیر قانونی ہے۔"

"لیکن مجھے اپنے اُس آقا سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔"

"آخر وہ کون تھا ظالم....!"

"اُسے ظالم نہ کہو بہت اچھا آدمی ہے۔"

"اُس کے باوجود بھی کہ اس نے تمہیں یعنی کہ ایک آدمی کو رہن رکھ دیا۔"

"ہاں.... ہاں مجھے اُس سے محبت ہے۔ وہ میری کھال کے جوتے بھی پہن سکتا ہے۔"

"ذرا مجھے اس کا نام اور پتہ بھی تو بتاؤ۔ میں دیکھوں گی۔"

"کیا دیکھو گی۔"

"یقیناً.... وہ آدمی بیسویں صدی کے لئے عجوبہ ہوگا۔"

"نہیں وہ بُرا آدمی نہیں ہے۔" جوزف نے بُرا مان کر کہا۔

"ویسے اس وقت تم بھی عجوبہ ہی معلوم ہو رہے ہو۔"

"کیوں....؟"

"میں نے تمہیں اتنے شریفانہ موڈ میں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"اتنا خون بہہ جانے کے بعد تو وہ بھی شریف ہو جائیگا جس نے آدم کو جنت سے نکلوایا تھا۔"

"خیر پھر سہی.... اُوہ صرف ایک منٹ باقی ہے۔ مجھے پہنچ جانا چاہئے۔" وہ گھڑی دیکھتی ہوئی بولی اور کمرے سے نکل گئی۔



ساجدہ کو تین گھنٹے تک وہاں اُسی حال میں بیٹھے رہنا پڑا تھا پھر وہ دونوں واپس آئے تھے اور انہیں دیکھ کر ساجدہ نے اپنی آنکھوں کو غضب آلود بنانے کی کوشش شروع کر دی تھی۔

ان میں سے ایک نے اُس کے منہ سے پٹی کھول کر حلق تک ٹھونسا ہوا کپڑا نکالا اور وہ انہیں

بُرا بھلا کہنے لگی۔

"اگر میں اسی وقت چیخنا شروع کر دوں تو کوئی میرا کیا بگاڑ لے گا؟"

"کچھ نہیں.... اب تو تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑا جا سکتا۔ ویسے تمہارے ساتھیوں کا خیال ہے کہ تم بھی ہوٹل سے باہر نہیں گئیں۔"

"ساتھیوں سے کیا مراد ہے۔ میرے ساتھ صرف دو آدمی صفدر اور جوزف تھے۔ ان کے علاوہ میں کسی تیسرے کو نہیں جانتی۔"

"انہی دونوں کی بات کر رہا ہوں۔"

"وہ کلوٹا زندہ ہے یا مر گیا؟"

"اُس کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو کم از کم دو بار مرا ہوتا۔"

"تو وہ زندہ ہے۔"

"نہ صرف زندہ ہے بلکہ باتیں بھی بنا سکتا ہے۔"

"جہنم میں جائے۔ یہ بتاؤ کہ میرے لئے کیا طے پایا۔"

"تمہیں یہاں سے چلنا پڑے گا۔ ہیڈ کوارٹر میں پہنچا دینے کا حکم ملا ہے۔"

"ہیڈ کوارٹر کہاں ہے؟"

"کیا کسی کو علم ہے اس کا؟"

'میں نے کہا شائد عادل آباد والے جانتے ہوں۔"

"اور عادل آباد والوں کا خیال ہے کہ وہ دارالحکومت ہی میں کہیں ہے۔"

"ہونا تو یہی چاہئے کیونکہ صدر انجمن کا قیام دارالحکومت ہی میں تھا۔"

"صدر انجمن....!" ایک نے مضحکانہ انداز میں کہا اور دونوں ہنس پڑے۔

"کیوں....؟"

"تو کیا تم پروفیسر راشد ہی کو صدر انجمن سمجھتی رہی تھیں۔"

"کیوں نہیں.... وہ تو تھے ہی۔"

"غالبًا یہ تمہاری ممبر شپ کا ابتدائی دور تھا۔"

"ہاں.... تو پھر....؟"

"کچھ دن گذارنے کے بعد انجمن کے رموز واسرار پر نظر پڑتی ہے۔"

"پھر پروفیسر راشد کون تھے؟"

"صدر کا ایک ادنیٰ ایجنٹ۔ جو صدر سے باغی ہو گیا تھا اور دارالحکومت والی شاخ کو اپنے تابع فرمان بنانا چاہتا تھا۔"

"لیکن اُن کے پاس کچھ بہت ہی اہم قسم کے کاغذات تھے۔"

"رہے ہوں گے۔" لاپروائی سے جواب دیا گیا۔

"لیکن وہ تو پولیس کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔"

"انجمن کو اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں۔ خیر ختم کرو.... اَب ہمیں سوچنا ہے کہ تمہیں یہاں سے کس طرح لے جایا جائے۔"



رات کے آٹھ بجے تھے۔ صفدر جوزف کو اپنے کمرے میں واپس لایا تھا اور دیر سے زیرو تائین کا سفری ٹرانسمیٹر سنبھالے کسی پیغام کا منتظر تھا۔ یہ پیغامات اُسے عمران ہی کی طرف سے کوڈ ورڈز میں ملتے تھے۔ جوزف اس سے واقف تھا لہٰذا اُس کی آنکھیں بھی ٹرانسمیٹر کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

دفعتاً سگنل موصول ہوا اور صفدر کاغذ پنسل سنبھال کر بیٹھ گیا۔

پیغام کی ابتدا ہوئی۔ اب پنسل تیزی سے کاغذ پر چلنے لگی تھی۔ جوزف احمقانہ انداز میں آنکھیں پھاڑے بیٹھا تھا۔

پیغام کے اختتام پر ٹرانسمیٹر بند کر دینے کا اشارہ ملا اور صفدر کو ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کرتے دیکھ کر جوزف نے طویل سانس لی۔

"وہ تیسری منزل کے کمرہ نمبر اٹھاون میں ہے۔" صفدر نے کہا۔ "اُسے دو آدمی ریوالور دکھا کر یہاں سے لے گئے تھے۔ اب تک وہیں ہے۔"

"اور وہی دونوں حملہ آور بھی تھے۔"

"اس کے علاوہ اور کیا سمجھا جاسکتا ہے۔"

"اُوور....!" جوزف نے غرا کر بستر سے چھلانگ لگائی اور کمرے کے وسط میں کھڑا ہو کر

سینہ پیٹنے لگا۔

"میں مردود.... روسیاہ۔" وہ سینہ پیٹ پیٹ کر کہتا جا رہا تھا۔ "اتنی دیر تک اپنے دشمنوں کو سر پر اٹھائے پھرا ہوں.... میں جو تنہا دس پر بھاری ہوں اُس چھت کے نیچے زندہ کیوں رہا جس کے سائے میں میرے دشمن عیش کر رہے ہیں۔"

پھر وہ دروازے کی طرف جھپٹا ہی تھا کہ صفدر نے اُس کی کمر پکڑ لی۔

"چھوڑو.... مجھے چھوڑ دو....!"

"تم پاگل ہوگئے ہو.... پورا پیغام تم نے نہیں سنا۔ ہمیں صرف دیکھنا اور موقع کا منتظر رہنا ہے۔"

"میں دیکھنے جا رہا ہوں تم موقع کے منتظر رہو۔ اَب یہ ذاتی معاملہ ہو گیا ہے مسٹر.... اُس کمرے میں جو بھی نظر آیا اُس کا سر ضرور پھٹے گا۔"

"جوزف.... ہوش میں آؤ.... اگر کھیل بگڑ گیا تو تمہارا باپ زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"مجھے جنت ملے گی اگر باس کے ہاتھوں مارا گیا۔ چھوڑو مجھے ورنہ بعد میں مجھے بھی افسوس ہو گا۔"

صفدر نے اُسے پیچھے کھینچنے کی کوشش کی.... لیکن جگہ سے ہلا بھی نہ سکا اور پھر وہ ہانپنے لگا۔ جسم تھا یا پتھر کی چٹان۔

"بس اب چھوڑ دو....!" جوزف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں.... ہرگز نہیں.... تم نہیں جا سکتے۔" صفدر کو غصہ آگیا.... لیکن دوسرے ہی لمحے میں اچھل کر دور جا پڑا جیسے کسی برق رفتار گاڑی کو دھکا لگا ہو۔

جوزف کمرے کے باہر تھا۔ صفدر بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھا اور اُس کے پیچھے دوڑ پڑا.... دروازہ کھولنا چاہا.... جو ہینڈل گھمانے کے باوجود بھی نہ کھل سکا۔

کنجی تو جوزف ہی کے پاس تھی۔ اُس نے سوچا۔ تو اب وہ خود کو مقید سمجھے۔ اُوہ یہ مردود...! وہ دانت پیس کر رہ گیا اور شائد ایک مکا دروازے پر بھی رسید کر دیا تھا۔



"کمرہ نمبر اٹھاون.... کمرہ نمبر اٹھاون....!" جوزف زیر لب غراتا ہوا تیسری منزل کی راہداریوں میں دوڑتا پھر رہا تھا۔

اچانک کسی نے پشت سے گردن پکڑلی اور وہ گردن چھڑا کر پلٹ پڑنے کی کوشش میں اُس سے لپٹ ہی پڑا۔

"اب شائد تو اپنے سر کا بھرتا بھی بنوانا چاہتا ہے۔" گردن پکڑنے والے نے کہا۔

"اُوہ.... ب.... ب.... باس.... یعنی کہ باس....!" جوزف کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور اُس نے دانت نکال دیئے۔

"شٹ اَپ.... بھاگو یہاں سے۔"

"لل.... لیکن.... باس....!"

"جاؤ....!" اُس نے اُسے دوسری طرف دھکا دیا۔

جوزف لڑکھڑاتا ہوا ایک دروازے سے ٹکرایا.... دروازہ کھل گیا.... اور وہ دھڑام سے اندر کمرے کے فرش پر جاگرا۔ دھکا دینے والا بھی بڑی پھرتی سے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

دروازہ بند کر کے وہ جوزف کی طرف مڑا۔ کوٹ کا کالر نیچے گراتے ہوئے فلٹ ہیٹ کا گوشہ بھی اوپر اٹھایا۔ یہ عمران تھا۔

"مم.... میں غصہ سے پاگل ہو رہا ہوں باس۔" جوزف نے غصیلی آواز میں کہا۔

"تم یہاں کیا کرتے پھر رہے تھے۔"

"خود پر لعنت بھیج رہا تھا کہ وہ میرے سر پر سوار تھے اور میں بستر میں پڑا ہائے ہائے کرتا رہا ہوں۔"

"کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"کمرہ نمبر اٹھاون کے ایک متنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

عمران پُر تفکر نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "یہی سامنے والا کمرہ ہے۔"

"ان کم بختوں نے آخر نمبر کیوں نہیں ڈالے دروازوں پر۔"

"صبح منیجر کو مشورہ دینا کہ نمبر ضرور ڈلوادے ورنہ ہو سکتا ہے کہ تم کسی دوسرے کمرے کو قبرستان بنا کر رکھ دو۔ او شب دیجور کے بچے.... تجھے کب عقل آئے گی۔"

"میں انہیں ضرور ماروں گا باس چاہے کچھ بھی ہو۔ اگر دوبدو جنگ میں میرا قیمہ بھی ہو جاتا تو مجھے پرواہ نہ ہوتی۔ مگر انہوں نے چھپ کر وار کیا تھا۔"

"مارے گا نہیں....؟" عمران نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں باس خدا کے لئے مجھے مت روکو۔"

"جاؤ....!" وہ دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "لیکن شرط ہے کہ خون خرابہ نہ ہو اور نہ کسی کی ہڈی ٹوٹے۔"

"چلو.... یہی سہی.... احتیاط سے ماروں گا۔"

جوزف دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور اپنی پشت پر دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

سامنے والے کمرے کے دروازے پر رک کر مڑا.... جس کمرے سے نکلا تھا اُس کا دروازہ بند ہی تھا۔

اُس نے سامنے والے دروازے پر دستک دی۔ قفل کے سوراخ میں روشنی نظر آ رہی تھی۔

"کون ہے۔" اندر سے کسی نے پوچھا۔

لیکن جوزف نے کوئی جواب دیئے بغیر پھر دستک دی۔

"آ جاؤ.... دروازہ مقفل نہیں ہے۔"

جوزف نے ہینڈل گھما کر دروازے کو دھکا دیا۔

سامنے دو آدمی بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اس سے پہلے شاید پیتے بھی رہے تھے کیونکہ نیچے فرش پر سوڈے اور وہسکی کی خالی بوتلیں پڑی نظر آ رہی تھیں۔

جوزف کو دیکھتے ہی ان کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ جوزف کے ہولسٹر سے ریوالور نکل آیا تھا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ اُوپر اٹھا دیئے۔

جوزف نے ایک کو مخاطب کر کے کہا۔ "لڑکی کہاں ہے؟"

"کیسی لڑکی.... کون ہو تم.... کیا چاہتے ہو....!" اُس نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"لڑکی.... جلدی بتاؤ.... اور وہ ہتھیار بھی نکالو جس سے تم نے میرا سر پھاڑا تھا۔"

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔

"دیکھو خبیثو.... یہ ریوالور بے آواز ہے.... یہ دیکھو۔" جوزف نے ٹریگر دبا دیا اور ایک آدمی کے حلق سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ بے آواز گولی اس کے بغل کے نیچے کوٹ سے رگڑ کھاتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھی۔

"چیخو تم.... اب آواز نکلی تو اسی طرح کوئی گولی تمہارے دل میں اتر جائے گی۔"

"نن.... نہیں.... نہیں....!" چیخنے والا ہکلایا۔

"تم نے دھوکے سے حملہ کر کے میری سخت توہین کی ہے۔"

"ہم کچھ.... کک.... کچھ نہیں جانتے۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"غلط فہمی کے بچے میرے پاس کالا جادو ہے۔ اُسی نے مجھے کمرہ نمبر اٹھاون کے متعلق اطلاع دی ہے اور میرا کالا جادو کہتا ہے کہ تم نے لڑکی کو غسل خانے میں بند کر رکھا ہے۔"

اُن کی نظریں بے اختیاری میں غسل خانے کے دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔

"میں جھوٹ نہیں کہتا.... اُسے نکالو۔"

"ہم بالکل نہیں سمجھے تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"اچھا تو اب تم سنبھالو....!" جوزف نے دوسرے کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں.... نہیں.... ٹھہرو۔"

"نکالو.... جلدی.... تم دونوں چلو دروازے کی طرف.... اباؤٹ ٹرن۔"

وہ غسل خانے کے دروازے کی طرف گھوم گئے۔

"کوئیک مارچ.... ہالٹ....!"

وہ بند دروازے سے ٹکراتے ٹکراتے بچے۔

"اب.... دروازہ کھولو....!"

"اندر کوئی نہیں۔"

"دروازہ کھولو....!" جوزف نے ایک کی کمر پر لات رسید کرتے ہوئے کہا۔ وہ دروازے سے ٹکرا کر کراہا اور دوسرے نے جلدی سے ہینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا لیکن غسل خانہ خالی تھا۔

"تم میں سے ایک اندر جائے۔" جوزف غرایا اور قبل اس کے کہ پہلے لات کھانے والا قدم بڑھاتا پھر ایک لات کمر پر کھا کر غسل خانے میں جا پڑا۔ جوزف نے ریوالور کا رخ دوسرے کی طرف کئے ہوئے دروازہ کھینچ کر باہر سے سٹکنی چڑھا دی۔

اب یہاں اُس کے سامنے ایک ہی رہ گیا تھا۔

"کک.... کیا.... مم.... مطلب....!" وہ ہکلایا۔

جوزف نے دانت نکال دیئے اور پُر شفقت لہجے میں بولا۔ "ابھی بتاتا ہوں تم اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ.... چلو.... یوں نہیں.... منہ دیوار کی طرف کرو.... ٹھیک ہے۔"

اُس نے ریوالور اُس کی کمر سے لگا کر جامہ تلاشی لی۔ پھر اپنا ریوالور جیب میں ڈال کر بولا۔

"ہاتھ نیچے گرالو.... اور میری طرف مڑ جاؤ۔"

وہ سہمے ہوئے انداز میں مڑا اور ایک بار پھر جوزف کے دانت نکل پڑے۔

"آخر.... آخر....!" وہ ہکلایا۔ "تت.... تم.... چاہتے کیا ہو....؟"

"میں تمہیں پیٹنا چاہتا ہوں.... اگر تمہارے حلق سے ذرا سی بھی آواز نکلی تو پھر قتل بھی کردینا چاہوں گا۔" جوزف نے کہا اور اُسے دونوں ہاتھوں سے پیٹنا شروع کردیا۔

اُدھر پٹنے والا بھی اُسے خالی ہاتھ دیکھ کر شیر ہو گیا اور جھپٹ جھپٹ کر حملے کرنے لگا۔

"اوہ....!" جوزف نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "باقاعدہ طور پر فائٹنگ کرو گے، لو یہ بایاں سنبھالو....!"

گھونسہ پڑتے ہی مقابل کئی فٹ کے فاصلے پر جا پڑا۔

"اٹھو.... اٹھو....!" جوزف ہاتھ ہلا کر بولا۔ "ابھی دوسرے سے بھی نپٹنا ہے۔"

لیٹے ہی لیٹے اُس نے اگالدان اٹھایا اور جوزف پر کھینچ مارا لیکن وہ بے خبر تو نہیں تھا.... جھکائی دے کر صاف بچ گیا۔

"اب تو میں پیر بھی استعمال کروں گا۔" جوزف نے کہتے کہتے چھلانگ لگائی اور اُس کے سر پر ٹھوکر لگاتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ پھر پلٹا اور اُسے ٹھوکروں ہی پر رکھ لیا۔

پھر جیسے ہی اُس نے کراہنا شروع کیا جوزف غرایا۔ "کھوپڑی میں گولی ہی اتار دوں گا اگر آواز نکلی۔"

اسکے بعد وہ اُسے بے دردی سے پیٹتا رہا اور وہ خاموشی سے پٹتے پٹتے بالآخر بیہوش ہی ہو گیا۔

جوزف نے اُسے جھک کر دیکھا اور دانت نکال دیئے۔ پھر وہ غسل خانے کے دروازے کی طرف بڑھا۔ سٹکنی کھسکائی اور ایک دم دروازہ کھول دیا لیکن....؟

غسل خانہ خالی تھا۔ فوراً ہی اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ دوسرے آدمی کو اُس نے غسل

خانے میں بند تو کر دیا تھا لیکن اس دروازے پر اُس کی نظر نہیں پڑی تھی جو غالباً برابر کے کمرے میں کھلتا تھا۔ اب بھی وہ دروازہ اُسے بند ہی نظر آیا۔ اُس نے تیزی سے اِدھر کے دروازے کو دوبارہ بند کیا اور سٹکنی چڑھا دی۔

بیہوش آدمی پر نظر ڈالتا ہوا اب وہ نکاسی کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

جوزف پیدائشی سپاہی اور سخت جان قسم کا جنگجو تھا۔ لیکن عمران کی صحبت نے اُسے اتنا محتاط تو بنا ہی دیا تھا کہ وہ غسل خانے کے دوسرے دروازے کو کھولنے کی حماقت نہ کر بیٹھتا۔

کمرے سے باہر نکل کر اُس نے شکاریوں کے نرغے میں گھرے ہوئے کسی درندے کے سے انداز میں چاروں طرف دیکھا اور اُس کمرے کی طرف توجہ دیئے بغیر جہاں عمران سے ملاقات ہوئی تھی آگے بڑھ گیا۔

تیسری منزل کے زینوں سے اتر کر دوسری منزل پر آیا.... پھر یہاں سے زینوں کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ ریٹا سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"ارے....!" وہ اُسے دیکھ کر ٹھٹکی۔

"ارے ورے کیا....!" وہ غراتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

"ٹھہرو.... جوزف.... ٹھہر جاؤ۔"

"کیا ہے۔" وہ رک کر جھلائے ہوئے انداز میں مڑا۔

"کیا تمہیں علم ہے کہ تمہارے سر سے خون بہہ رہا ہے۔"

"بہہ رہا ہوگا....؟" وہ زینے طے کر کے پہلی منزل پر جا رہا تھا۔

ریٹا اُس کے پیچھے پیچھے اترتی رہی۔

پھر کچھ دیر بعد جب وہ اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا ریٹا نے اُسے دوبارہ روکنا چاہا۔

"بولو مت.... مجھے جانے دو۔"

"ارے یہ زخم سڑ جائے گا۔"

"تو تمہارا کیا بگڑے گا۔" اُس نے خشک لہجے میں کہا۔

"اچھا اچھا.... جاؤ.... میں تمہارے لئے دکھی ہوں۔" ریٹا کھسیا کر بولی۔

جوزف نے اندر داخل ہو کر زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کیا۔



ساجدہ اس وقت ایک صاف ستھرے ڈرائنگ روم میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ بظاہر اتنی ہی بشاش نظر آ رہی تھی جیسے اُس کے ذہن میں اس قسم کا کوئی سوال ہی نہ ہو کہ یہاں تک کیسے پہنچی ہو گی۔

ایک خوش اخلاق آدمی میزبانی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ ویسے ابھی تک معاملے کی بات نہیں چھڑی تھی۔

ساجدہ کو بس اتنا ہی یاد تھا کہ اُس نے ہوٹل کے کمرے میں اُن دونوں کی پیش کی ہوئی چائے پی تھی اور تھوڑی دیر بعد اس کا سر چکرانے لگا تھا۔

"ہمیں اپنی غلط فہمی پر بے حد افسوس ہے مس حبیب۔" دفعتاً میزبان نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ انجمن والوں کی غلط فہمی رفع کر سکی اور اب میں اُس مردود کو بتاؤں گی کہ بیوقوف کیسے بنایا جاتا ہے۔"

"وہ کس طرح محترمہ....!"

"اوہ....!" ساجدہ مضطربانہ انداز میں بولی۔ "اُن لوگوں نے اُن کا تعاقب ضرور کیا ہو گا جو مجھے یہاں لائے تھے۔"

"مطمئن رہئے محترمہ آپ اس طرح لائی گئی تھیں کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی ہو گی۔"

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟"

"آپ بیہوش کی گئی تھیں۔" میزبان مسکرا کر بولا۔ "آپ کا بنڈل بنا کر باورچی خانے پہنچا دیا گیا تھا.... اور وہاں سے ایک ویَن اس بنڈل کو یہاں تک لائی تھی۔"

"بے حد چالاک لوگ ہیں۔" ساجدہ سر ہلا کر پُر تشویش لہجے میں بولی۔ "آخر انہوں نے میرا میک اپ ایسا کیوں کیا تھا کہ میں بہ آسانی پہچان بھی لی جاؤں۔"

"ہاں یہ بات قابلِ غور ہے۔" میزبان کے چہرے پر بھی تشویش کے آثار نظر آئے اور کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "مجھے یقین ہے انہیں یہی نہ معلوم ہو گا کہ آپ اتنی دیر تک اُسی ہوٹل میں رہی تھیں۔"

"ایسا ہی ہو تو بہتر ہے۔" ساجدہ کی آواز کانپ رہی تھی۔

دفعتاً کسی دور افتادہ حصے سے دروازہ پیٹنے کی آواز آئی اور میزبان اس طرح چونک پڑا جیسے وہ انہونی ہو۔

"ایک منٹ محترمہ..... میں ابھی حاضر ہوا۔" وہ مضطربانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔

ساجدہ اُسے کمرے سے جاتے دیکھتی رہی۔

سخت الجھن میں تھی کہ اب کیا ہوگا۔ انہیں اس کی باتوں پر یقین آگیا ہے یا نہیں! اگر نہیں آیا تو کیا اب تک وہ محض اس لئے زندہ رہنے دی گئی ہے کہ انہیں اُس سے عمران کا سراغ ملنے کی امید ہے؟ کچھ بھی ہو وہ تلوار کی دھار پر سے گذر رہی ہے۔

اُس کی نظر آمد و رفت کے دروازے پر تھی۔ اچانک میزبان آتا دکھائی دیا۔ اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

"انہیں خبر ہو گئی ہے۔" اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

ساجدہ کچھ بولی نہیں۔ سوالیہ نظروں سے دیکھتی رہی۔

میزبان نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "نیگرو نے ایک کو شاید جان ہی سے مار دیا۔ دوسرا بدقت بچ کر بھاگا ہے۔ آپ کا خیال بالکل صحیح تھا۔ انہوں نے ان کی نقل و حرکت پر نگرانی رکھی تھی۔ ورنہ نیگرو اُس کمرے تک ہرگز نہ پہنچ سکتا۔"

"کس سے اطلاع ملی۔"

"انہیں میں سے ایک یہ اطلاع یہاں لایا ہے جنہوں نے آپکو اُنکے پنجے سے رہائی دلائی تھی۔"

"حماقت..... کھلی ہوئی حماقت۔" ساجدہ میز پر گھونسہ مار کر بولی۔ "اگر پہلے وہ مجھ تک نہ پہنچ سکے ہوں گے اب پہنچ جائیں گے۔ آخر سیدھا یہیں کیوں دوڑا آیا۔ وہ آدمی اس کی اطلاع فون پر بھی دے سکتا تھا۔"

"دراصل وہ بہت زیادہ خائف ہے۔ نیگرو کسی خونخوار درندے کی طرح دوسرے آدمی سے چمٹا ہوا تھا۔ غالباً وہ باری باری سے دونوں کو مارنا چاہتا تھا اس لئے ایک کو غسل خانے میں بند کر دیا تھا۔ لیکن وہ دوہرے کمروں کا مشترکہ غسل خانہ تھا اور دونوں کمرے انہی کے قبضے میں تھے اس لئے دوسرا نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔"

"بس تو پھر وہ جلد ہی یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"یعنی.... یعنی.... کیا مطلب....!" میزبان کسی قدر خوفزدہ بھی نظر آنے لگا تھا۔

"ارے یہ سب کچھ کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوا ہوگا۔ نیگرو کسی گینڈے کی طرح مضبوط اور سخت جان ہے۔ اُس نے یہ سوچ کر ہی ایک کو غسل خانے میں بند کیا ہوگا کہ وہ وہاں سے فرار ہو جائے۔ پھر وہ دیکھیں کہ بھاگ کر کہاں جاتا ہے۔ ایک کو بند کر کے دوسرے کو پیٹنے کا کوئی جواز ہی نہیں جب کہ وہ اُن دونوں کو ساتھ ہی پیٹ سکتا تھا۔"

"اُوہ.... اُوہ.... یقیناً یہی بات ہوگی۔ پھر اَب کیا کیا جائے۔"

"میرے ہاتھ پیر باندھ کر یہیں ڈال دو اور خود فرار ہو جاؤ۔"

"کیوں....؟ کیوں....؟"

"اُوہ اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ اس طرح میں پھر اُن میں واپس چلی جاؤں گی اور مجھ پر اُن کا اعتماد بدستور برقرار رہے گا۔ پھر میں دیکھوں گی کہ انجمن کے لئے کیا کر سکتی ہوں۔"

"بالکل ٹھیک ہے محترمہ.... بالکل ٹھیک ہم آپ سے رابطہ قائم رکھیں گے۔" میزبان نے کہا اور تیزی سے کمرے سے چلا گیا۔ پھر واپسی میں بھی دیر نہیں لگائی اُس کے ہاتھ میں ریشم کی ڈور کا لچھا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے ساجدہ کے ہاتھ پیر باندھ دیئے اور لجاجت سے بولا۔ "مجھے افسوس ہے محترمہ....!"

"اوہ.... جلدی کرو.... عمارت خالی کر دو۔"

ذرا ہی سی دیر بعد وہاں قبرستان کا سا سناٹا چھا گیا۔ ساجدہ سختی سے ہونٹ پر ہونٹ جمائے صوفے پر پڑی رہی۔ اُس کا اندازہ غلط بھی ہو سکتا تھا۔ پھر ایسی صورت میں تو وہ اسی طرح بندھی پڑی رہ جاتی۔ اونہہ دیکھا جائے گا۔ اُس نے سوچا۔ اگر وہ اتنے ہی احمق ہیں کہ اس موقع سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکیں تو پھر وہ کر ہی کیا سکیں گے.... ویسے جوزف کے ہاتھوں اس طرح اُن دونوں کی پٹائی عمران ہی کی فکر کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ اس ایک کو غسل خانے میں بند کرتے وقت دوسری طرف کا دروازہ نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ دوسرا آدمی فرار ہو جائے.... اور دوسرے آدمی کے فرار کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ اس کا تعاقب کیا جائے۔ پھر اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے؟ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے اس کا تعاقب کیا ہوگا۔

دفعتاً وہ چونک پڑی۔ یقیناً کسی قسم کی آواز ہی تھی۔ پھر قدموں کی چاپ صاف سنائی دینے لگی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور عجیب سا چہرہ دکھائی دیا۔ لیکن عجیب سا کیوں؟ وہ تو کوئی نقاب پوش تھا۔

اُس نے صوفے کے قریب آکر اُس کے ہاتھ پیر کھولے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"باہر سرخ رنگ کی ایک اسپورٹ کار موجود ہے۔ غالباً تم ڈرائیو کر سکتی ہو۔"

"تم کون ہو....؟"

"وقت نہ ضائع کرو۔" وہ دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر تحکمانہ لہجے میں بولا۔ آواز ساجدہ کے لئے بالکل نئی تھی۔ پھنسی پھنسی بھرائی ہوئی آواز۔

"مجھے کہاں جانا ہوگا....؟"

"ٹنکی میں اتنا پٹرول موجود ہے کہ تم صبح تک شہر میں چکر لگا سکتی ہو۔ کہیں کسی جگہ بھی تمہیں بتا دیا جائے گا کہ کہاں جانا ہے۔ جلدی کرو.... اس دروازے والی راہداری کے سرے پر صدر دروازہ ہے۔"

شہر کی سڑکوں پر مارے پھرنے کا مقصد اُس کی سمجھ میں نہ آسکا لیکن کرنا وہی تھا جس کے لئے کہا گیا تھا۔

عمارت سے باہر نکلنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ سڑک کی دوسری جانب سرخ رنگ کی اسپورٹ کار کھڑی دکھائی دی۔ اُس نے اطمینان سے سڑک پار کی اور گاڑی کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گئی۔ سوچ رہی تھی کہ کہاں جائے اس کا بھی تو خطرہ تھا کہ کہیں ٹریفک پولیس کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔ پوری طرح شہر دیکھنے کا اتفاق آج تک نہیں ہوا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ ٹریفک کے کسی قانون کی خلاف ورزی ہی سرزد ہو جائے۔ ایسی صورت میں اُس سے ڈرائیونگ لائسنس کا مطالبہ بھی کیا جائے گا۔ پھر وہ کیا کرے گی.... اونہہ.... اُس نے سوچا۔ جن لوگوں کے ہاتھوں وہ کھلونا بن کر رہ گئی ہے وہی اس پر بھی نظر رکھیں گے۔ اب تو زندگی طوفان کی نذر ہو ہی چکی ہے۔ کسی بھی دوسرے لمحے کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

اُس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔ عقب نما آئینے کی پوزیشن تبدیل کرتے وقت وہ سوچ رہی تھی کہ انجمن والے بھی اتنے احمق نہیں ہو سکتے۔ اُس کا تعاقب ضرور کیا جائے گا۔

دفعتاً ڈیش بورڈ کے کسی حصے سے آواز آئی.... "پرواہ نہ کرو۔ چلتی رہو۔" اور یہ آواز سو فیصد عمران ہی کی تھی۔

ساجدہ کا دل دھڑکنے لگا۔ اُس کی آواز اُس کا مخصوص لہجہ....!

ساجدہ کے ذہن میں وہ خوشبو انگڑائی لینے لگی جس کا تجربہ اُسے عمران کی موجودگی میں عموماً ہوتا رہتا تھا۔ پتہ نہیں وہ کسی مخصوص قسم کا سینٹ استعمال کرتا تھا یا وہ خوشبو قدرتی طور پر اُس کے وجود سے تعلق رکھتی تھی۔

"تم مجھ سے گفتگو بھی کر سکتی ہو۔" آواز پھر آئی۔

"تم کہاں ہو.... عمران....!" اُس نے بے ساختہ پوچھا۔

"یہ نہیں بتاؤں گا.... فی الحال۔"

"میں کیا کروں....؟" ساجدہ نے پوچھا۔

"جو کچھ کہا گیا ہے؟" جواب ملا۔

"وہ کون تھا....؟"

"مجھے نہیں معلوم....!" جواب ملا۔

"کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے تم نے اور پھر یہ مصیبت بھی نہ معلوم ہو اگر تم روز ملتے رہو۔"

"یہی تو مصیبت ہے۔"

"اوہ تو یہ مصیبت ہے تمہارے لئے۔"

"بالکل ہے.... اسی لئے میں نے شاعری شروع کر دی ہے ایک شعر سنو۔ ابھی ابھی کہا ہے.... کچھ لڑکیاں مجھے گھورتی ہوئی قریب سے گذری تھیں۔ کہا ہے۔

اے زہرہ جبینو مجھے اس طرح نہ دیکھو
میں ہوں تو تماشا مگر اتنا بھی نہیں ہوں"

"اُوہ.... تو تم محسوس کر سکتے ہو کہ تمہیں کوئی گھور رہا ہے۔" ساجدہ نے پوچھا۔

"بھئی گھورے جائیں گے تو ضرور محسوس کریں گے اُن میں مجھے ایک چھوٹے قد کی لڑکی بہت اچھی لگی تھی، جو غالباً گاؤن پہنے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلتی۔ میرا خیال ہے کہ تم بھی اپنے چست لباس پر گاؤن پہنے بغیر باہر نہ نکلا کرو۔"

"تم مجھے باتوں میں بہلانے کی کوشش کیوں کر رہے ہو۔"

"پھر بتاؤ کیا کروں....؟"

"تم نے مجھ سے یہ بھی نہ پوچھا کہ کس حال میں ہوں....؟"

"پوچھنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ میں تمہارے حالات سے ہر وقت باخبر رہا ہوں۔"

"تو یہ کلوٹے والی اسکیم تمہاری ہی تھی۔"

"ہرگز نہیں.... یہ اُس کی اپنی جدت تھی.... اُس کالی کھوپڑی میں بعض اوقات بڑے زور کی بجلی چمکتی ہے۔"

"اب مجھے کیا کرنا ہے۔"

"چکر لگاتی رہو۔"

"مقصد کیا ہے.... اس کا....!" وہ کسی قدر جھنجھلا کر بولی۔

"اچھا بس.... بقیہ پھر....!" ڈلیش بورڈ سے عجیب طرح کی سرسراہٹ سنائی دی اور پھر سناٹا چھا گیا.... ساجدہ عمران کو پکارتی ہی رہ گئی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

بُرا سا منہ بنا کر اُس نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ اتنی دیر میں ایک بھی کام کی بات نہ ہو سکی۔ وہ اُسے شاعری اور لڑکیوں کے تذکرے میں الجھائے رہا تھا۔ وہ اور شاعری۔ عمران اور لڑکیاں؟ مضحکہ خیز.... پتہ نہیں اس کی دلچسپیاں کیا ہیں۔ اُس کی جگہ کوئی دوسرا نوجوان ہوتا تو اب تک.... تو اب تک پتہ نہیں کیا ہو چکا ہوتا۔



"اوہ کیا ہو گیا ہے مجھے۔" صبیحہ نے تکیئے پر ہاتھ مار کر بلند آواز میں غالباً سوچا ہی تھا پھر اٹھ بیٹھی تھی۔ ٹائم پیس تین بجا رہا تھا۔

وہ ٹھیک دس بجے سو جانے کی نیت سے لیٹی تھی لیکن ابھی تک تو آئی نہیں تھی نیند.... خیالات کا تار تھا کہ ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔

اُلجھن.... اُلجھن.... کیا کرے؟ کس سے کہے....؟ اور یہ آدمی.... یہ بہروپیا پتہ نہیں کس چکر میں ہے۔

وہ نئے ڈرائیور کے متعلق سوچتی رہی۔ خود اُس کے لئے وہ ابھی تک بے ضرر ہی ثابت ہوا تھا۔ اُس کا یہ شبہ بھی خود اُس نے ہی رفع کر دیا تھا کہ وہی اُسے بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر اگر وہ ان مضحکہ خیز حالات میں اس کے گھر تک نہ پہنچا ہوتا تو کہا جاسکتا کہ کسی خاص مقصد کے تحت وہ اُس کے خاندان سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہے۔

الجھن بڑھتی ہی رہی۔ بستر سے اٹھ کر کھڑکی کے قریب آئی۔ لان پر ملگجا سا اندھیرا مسلط تھا۔ آج تو شاید مسلسل جھائیں جھائیں کرنے والے جھینگر بھی سوگئے تھے۔ عجیب سا سناٹا فضا پر طاری تھا۔

وہ یونہی غیر ارادی طور پر پنجوں کے بل اوپر اٹھ کر مہندی کی باڑھ کے پیچھے دیکھنے کی کوشش کرنے لگی جہاں مالی کی کوٹھری تھی۔ لیکن باڑھ کی اونچائی بدستور رکاوٹ بنی رہی اور اسے خواہ مخواہ غصہ آگیا۔ آخر اتنی اونچی باڑھ لگا دینے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ پاپا بھی کریک ہیں.... پتہ نہیں اجلاس کیسے کرتے ہوں گے۔ بات کرنے کی تو تمیز ہے نہیں۔ گھر پر کوئی عزیز آجائے تو اس طرح دانت نکال کر پیشوائی کریں گے جیسے اُس کی آمد کے منتظر ہی بیٹھے رہے ہوں۔ وہ بات کرے گا تو آپ سر ہلا ہلا کر "جی ہاں.... اور کیا.... بھلا دیکھئے" کرتے رہیں گے۔ پی۔ سی۔ ایس کا وائیوا.....اسی میں کیا کیا ہوگا۔ ضرور دادا ابا کی سفارشیں کام آئی ہوں گی۔ ورنہ یہ حضرت تو کلرکی کے قابل بھی نہیں تھے۔ زرینہ اُس دن کہہ رہی تھی کہ تمہارے پاپا چاہے کچھ لگتے ہوں ڈپٹی کلکٹر تو ہرگز نہیں لگتے۔

اونہہ یہ پاپا کہاں سے آکودے۔ سوال تھا اُس مردود کا جس کا نام اختر ہے۔ اور اختر کے بچے تم کون ہو۔ آخر یہ بہروپیا پن کس لئے۔ ارے غضب.... کہیں سی۔ آئی۔ ڈی کا آدمی نہ ہو.... اس کا تو خیال ہی نہیں آیا تھا۔ پہلے ہی رشوت کے معاملے میں پاپا بڑے بیباک واقع ہوئے ہیں۔ دوست شاید ہی کوئی ہو۔ دشمن ہزاروں ہوں گے۔ ہو سکتا ہے ان کی بھی اسکریننگ ہو رہی ہو۔ اچھا تو بیٹے سی۔ آئی۔ ڈی والے تمہیں بھی دیکھ لیا جائے گا۔ پاپا کو بات کرنے کی تمیز ہو یا نہ ہو لیکن اُن کی بیٹی تمہیں ضرور دیکھ لے گی اور پاپا بھی اتنے گھامڑ تو نہیں ہیں۔ اتنا سارا وقت لکھنے پڑھنے ہی میں گذرا ہے۔ قلم کے پکے ہیں۔

اُس نے کمرے کا دروازہ کھولا اور چپ چاپ راہداری میں نکل آئی۔ اب صدر دروازے کی

طرف جارہی تھی۔

بہ آہستگی دروازہ کھول کر برآمدے میں آئی اور غیر ارادی طور پر قدم لان کی طرف اٹھتے رہے۔ بس وہ چلی جارہی تھی.... کچھ سوچے سمجھے بغیر.... اور جب مالی کی کوٹھری کے قریب پہنچ گئی تو خیال آیا کہ وہ کیوں آئی ہے؟ کیوں آئی ہے؟

اس سوال پر وہ اسی طرح چونکی تھی جیسے کسی نے بہ آواز بلند یہ سوال کیا ہو؟

دروازے کی درزوں سے کیروسین لیمپ کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔

وہ پلنگڑی پر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ اتنی رات گئے اب تک جاگ رہا ہے۔ صبیحہ نے سوچا۔

وہ اس وقت ڈرائیور والے بد نما میک اپ میں نہیں تھا۔ کتنی معصومیت تھی چہرے پر۔ غالباً معصومیت کی بہتات ہی نے حماقت کا روپ دھار لیا تھا۔

بالکل بے ضرر.... بالکل بے ضرر.... صبیحہ نے سوچا۔ یہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کبھی نہیں.... لیکن.... لیکن؟

اُسے وہ آدمی یاد آگیا جسے اس نے صرف گھونسوں اور لاتوں سے ادھ مرا کر دیا تھا اور پھر وہ ہسپتال میں مر ہی گیا تھا۔

کون ہے یہ؟ کون ہے یہ؟ اوہ خدا.... اَب کیا ہو.... یہ یہاں سے کیسے جائے گا۔ جب پاپا آجائیں گے تب کیا ہوگا۔

غیر ارادی طور پر اُس نے دروازے پر تھپکی دی اور اُسے چونکتے دیکھا۔ یہ بھی دیکھا کہ چہرے کی معصومیت یکلخت غائب ہو گئی ہے اور آنکھوں میں ایسی ہی چمک نظر آرہی ہے جیسے.... جیسے.... کوئی تشبیہہ یاد نہ آسکی لیکن چڑیا گھر کا وہ چیتا ضرور یاد آگیا جسے ایک بار اُس نے ایک لومڑی کو دبوچے دیکھا تھا۔

لومڑی کسی طرح اپنے کٹہرے سے نکل کر بدحواسی میں چیتے کے کٹہرے میں جا گھسی تھی اور چیتا اُس پر جھپٹ پڑا تھا۔ صبیحہ کو اچھی طرح یاد نہیں تھا کہ اس کے بعد کیا ہوا تھا لیکن چیتے کی آنکھیں اُس کے ذہن میں جم کر رہ گئی تھیں۔ پھر جب بھی وہ ان کا تصور کرتی پورا جسم ہل کر رہ جاتا۔

اور اس وقت بھی کانپ کر رہ گئی جب اُس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ اُسی قسم کا احساس ذہن کے کسی گوشے میں جاگ اٹھا جیسا اُس چیتے کی آنکھوں کے تصور سے بیدار

ہو جاتا تھا۔

پھر وہ بڑی احتیاط سے چلتا ہوا دروازے کے قریب آیا اور بہ آہستگی پوچھا۔ "کون ہے۔"

"صبیحہ....!" اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"کیا بات ہے۔" دروازہ کھولے بغیر اُس نے اندر ہی سے پوچھا۔

"در.... دروازہ کھولو....!"

"کیوں....؟" اندر ہی سے پوچھا گیا۔

صبیحہ کو کوئی جواب نہ سوجھا بس یونہی کہہ بیٹھی۔ "مجھے اُلجھن ہو رہی ہے۔"

"کیا دروازہ کھلنے سے رفع ہو جائے گی۔"

"ہاں....!" یہ جواب بھی بس زبان ہی سے نکلا تھا۔ ذہن سے اُس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

ہلکی سی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ صبیحہ نے ڈرتے ڈرتے اُس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ لیکن اَب وہاں پھر حماقت کے ڈونگرے برس رہے تھے۔ آنکھوں میں پھر وہی پہلے کی سی حماقت آمیز سادگی نظر آرہی تھی۔

"تم کیوں جاگ رہے ہو؟" صبیحہ نے پھر یونہی سوال برائے سوال کر ڈالا۔

"یہی سوال تو میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔"

"میں اُلجھن میں مبتلا ہوں۔"

"اور میں آج تک کسی اُلجھن میں مبتلا ہی نہیں ہوا۔"

"پھر کیوں جاگ رہے تھے؟"

"ممی اور ڈیڈی یاد آگئے تھے؟"

"خدا کے لئے مجھے اس اُلجھن سے نجات دلاؤ۔"

"کس اُلجھن سے....؟"

"ارے پوچھتے ہو کس اُلجھن سے؟" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"میں تو اس اُلجھن کا ذمہ دار نہیں۔"

"تمہی نے تو اُسے مارا تھا۔"

"کتنی بار دہراؤ گی.... جاؤ سو جاؤ۔"

"تم ہی نے مجھے اس جنجال میں پھنسایا ہے۔"

"مجھے یہ بتاؤ کہ اس نے تمہیں دھمکایا کیوں تھا....؟"

"میں کیا جانوں۔"

"بہر حال وہ کچھ کر گذرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔"

"پتہ نہیں۔"

"کوئی بھی شریف آدمی اُس صورت حال کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

"تم کیوں چھپ گئے تھے ڈکے میں.... میرے ساتھ جانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ڈکے میں چھپتے وقت تو بے ایمانی ہی تھی دل میں۔"

"کیا مطلب....؟"

"سوچا تھا کہ کسی جگہ موقع ملنے پر انجن میں کچھ گھپلا کر دوں گا۔"

"کیوں....؟" صبیحہ نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

"تاکہ پھر تمہیں پریشانی میں مبتلا دیکھ کر تمہاری مدد کرتا اور تمہیں اپنا ممنون احسان بنا کر تمہارے یہاں ملازمت حاصل کرتا۔"

"آخر کیوں؟ تم یہ فراڈ کیوں کرنا چاہتے تھے؟"

"پیٹ پالنے کے لئے۔"

"غلط.... قطعی غلط.... میں سب سمجھتی ہوں۔"

"کیا سمجھتی ہو۔"

"نہیں بتاتی۔" صبیحہ کو غصہ آنے لگا تھا۔ کیونکہ اب اُس نامعقول آدمی کی آنکھوں میں حماقت آمیز سنجیدگی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔

"مت بتاؤ.... لیکن اب جاؤ۔"

"نہیں جاتی.... یہ کوٹھری میری ملکیت ہے۔"

"اچھی بات ہے.... تم تشریف رکھو اپنی ملکیت میں۔ میں اندر جاکر تمہارے کمرے میں سو جاؤں گا۔"

"میں نوکروں سے بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتی۔ خاموش رہو۔"

وہ سچ مچ خاموش ہو گیا۔ کئی منٹ گذر گئے۔ اُس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ آخر صبیحہ ہی بولی۔ "تم یہاں کس کی ٹوہ میں آئے ہو۔"

"محترمہ میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں۔ کتنی بار یاد دلاؤں کہ آپ کی والدہ محترمہ نے مجھ پر کمبل ڈلوا کر اٹھوا منگایا تھا۔"

"وہ ایک غلط فہمی کے تحت ہوا تھا لیکن تم یہ بتاؤ کہ اتنی رات گئے میرے بنگلے کے سامنے تمہاری موجودگی کا مقصد کیا تھا۔"

"میرے خدا۔" وہ دانت پیس کر بولا۔ "میں کیا کروں.... تو نے عورت بنائی تھی تو ایک سائیلنسر بھی فٹ کر دیتا کہیں!"

"کیا بکواس ہے؟"

"یا پھر میرے دوست عبداللطیف کو سرے سے پیدا ہی نہ کیا ہوتا.... میں کس طرح یقین دلاؤں ان محترمہ کو....!"

"بس اَب بکواس بند کرو۔ اور حفظ مراتب کا خیال رکھو.... ورنہ....!"

"میں کہتا ہوں جاؤ یہاں سے مجھے سونے دو.... ورنہ....!"

"کیا کرو گے تم....؟"

"نہیں سوؤں گا؟" اُس نے مردہ سی آواز میں کہا اور وہ جھنجھلاہٹ کے باوجود بھی ہنس پڑی۔ اور پھر وہ کسی بچے ہی کے سے انداز میں پھولا بیٹھا رہا۔

"اب میں بتاؤں تم کون ہو؟"

"بے حد ممنون ہوں گا۔" اس نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ "کیونکہ ابھی تک خود مجھے اطلاع نہیں مل سکی کہ مَیں کون ہوں۔"

"تمہارا تعلق اینٹی کرپشن پولیس سے ہے۔"

"واہ....!" وہ بچکانہ انداز میں ہنس پڑا۔

"میری بات سنو.... تم مجھے اُلو نہیں بنا سکتے۔"

"اس کے باوجود بھی میرا یہاں کیا کام....!"

"ہو سکتا ہے.... میرے والد کی اسکریننگ ہو رہی ہو۔"

اس جواب سے وہ اس قدر محظوظ ہوا کہ دیر تک ہنستا رہا اور صبیحہ دانت پیستی رہی۔

"بھئی مزہ آگیا.... کل تک روٹی کو محتاج تھا اور سوچ رہا تھا کہ کس کی جیب کاٹوں اور آج اینٹی کرپشن پولیس میں بھرتی ہو گیا۔"

"پھر کون ہو تم....؟ چلے جاؤ یہاں سے۔"

"میں اختر ہوں۔ تم سے خط و کتابت تھی۔ پکڑا گیا۔ پٹائی ہوئی اور اب بھیس بدل کر تمہارے یہاں ڈرائیوری کر رہا ہوں۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔ مگر یہ چکر عموماً فلمی ہی والدین کے ساتھ کامیاب ہوتے ہیں.... جیتی جاگتی زندگی میں تو گھریلو نوکر بھی ڈپٹی کمشنری ہی کے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔"

"اوہ.... تم تو واقعی بلیک میلر ہو۔"

"میں کہتا ہوں اب جاؤ یہاں سے اگر کسی نے اتنی رات گئے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو....!"

"میں کوئی بچہ ہوں۔"

"نہیں تم تو اپنی نانی سے بھی سینئر ہو۔"

"تم بہت بدتمیز ہو۔"

"کھسکو یہاں سے۔ کیوں میری روزی پر لات مارنے کی کوشش کر رہی ہو۔ کسی کی نظر پڑ گئی تو اسی وقت نکال دیا جاؤں گا۔"

"صورت دیکھی ہے آئینے میں۔" وہ کھسیا کر بولی۔ "تو میں اسلئے آتی ہوں... لفنگے کہیں کے۔"

"ارے تم کسی لئے بھی آئی ہو۔ لیکن دوسرے تو یہی سمجھیں گے۔"

"میں تم سے صرف یہ معلوم کرنے آئی تھی کہ تم سے چھٹکارے کی کیا صورت ہو گی۔"

اُس نے ایک طویل سانس لی۔ چند لمحے منہ چلاتا رہا۔ پھر بولا۔ "کوہ قاف میں ملکہ کھٹمل گلگوں پوش کا باغ ہے۔ بیچ اُس باغ کے ایک باؤلی ہے کہ جس کے گرد اژدھے پہرہ دیتے ہیں۔ اندر اُس باؤلی کے ایک پنجرہ ہے اور اُس پنجرے میں ایک زاغ کہن سال بیٹھا پے در پے صدا دیتا ہے اب اگر کوئی ایسا تاک کر تیر مارے کہ منقار سے گذر کر حلق میں ترازو ہو جائے تو اُدھر تو وہ پرند مثل ہیزم جل کر خاک ہو جائے گا اور اُدھر میں کافی ہاؤز کی راہ لوں گا۔"

"بکواس بند کرو۔ میں تمہارے بھانڈ پن سے محظوظ ہونے نہیں آتی تم نے ملازموں سے کہا ہے کہ پاپا نے تمہیں بھیجا ہے اب اگر وہ آہی گئے تو کیا ہو گا۔"

"یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔"

"ارے تو تم زبردستی رہو گے یہاں؟" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"اور نہیں تو کیا بھیک مانگتا پھروں گا۔"

"پھر کچھ کہنے والی تھی کہ اُس نے ہاتھ اٹھا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی آواز پر چونکا ہو۔ لیکن صبیحہ نے تو کچھ بھی نہیں سنا تھا۔

دفعتاً اُس نے کیروسین لیمپ بجھا دیا اور صبیحہ ہکلائی۔ "کک... کیا... تت... تم... کک کیا۔"

"خاموش رہو۔" اُس نے ہلکی سی غراہٹ سنی۔ پتہ نہیں کیسی آواز تھی۔ اس کی تو نہیں تھی بہرحال صبیحہ کی گھگھی بندھ گئی۔

دروازہ کھلا اور ایک سایہ تیزی سے باہر رینگ گیا۔ وہ ایک گوشے میں دبکی کھڑی رہی۔

کئی منٹ گذر گئے.... لیکن آس پاس کسی قسم کی بھی آواز نہ سنائی دی۔ پھر یک بیک دروازہ کھلا اور تین سائے باہر کی نیم تاریک فضا کے پیش منظر میں اندر داخل ہوتے نظر آئے.... دروازہ بند ہو گیا۔ ایک ٹارچ روشن ہوئی۔

"اوہ....!" آنے والوں میں سے کسی کی تحیر زدہ آواز تھی۔

ٹارچ کی روشنی صبیحہ پر پڑی اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کے اعصاب جواب دے گئے ہوں۔ آنے والے تین تھے لیکن اُن کے چہرے صاف نظر نہیں آ رہے تھے۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔" کسی نے آہستہ سے پوچھا۔ آواز اُس کے لئے نئی تھی۔ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے۔ لہٰذا خاموش ہی رہی۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔"

"تم کون ہو؟" صبیحہ نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کوٹھری کی تلاشی لو۔" وہی آواز پھر سنائی دی اور دو آدمی ٹارچ کی روشنی میں اِدھر اُدھر کچھ تلاش کرنے لگے۔ اب صبیحہ نے دیکھا کہ وہ نقاب پوش تھے۔ نقابوں میں پورے جسم چھپے ہوئے تھے صرف آنکھیں نظر آئی تھیں۔

اُسی آواز نے صبیحہ کو پھر مخاطب کیا۔ "لڑکی وہ کون ہے؟"

"کک.... کون....؟"

"وہی جو تمہارے ساتھ تھا اور جس نے سہیل کو زخمی کیا تھا....؟"

"وہ.... وہ.... پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"پرسوں صبح کی بات ہے جب تم گاڑی لے کر ویرانے کی طرف گئی تھیں۔"

"ہاں.... میں گئی تھی.... پھر....؟"

"وہاں.... سہیل کو کس نے مارا تھا....؟"

"کس سہیل کی بات کر رہے ہو۔"

"وہی جو اکثر تمہارا تعاقب کرتا تھا۔"

"اوہ.... اچھا.... وہ سامنے والا لفنگا....!"

"تو تم نے اُسے پٹوایا تھا؟"

"ایسا کوئی اتفاق نہیں ہوا۔ ویسے تمنا تو یہی ہے کہ کبھی ایسا ہو سکے۔"

"تم خود کار ڈرائیو کر رہی تھیں اُس دن۔"

"تم ہو کون۔ میں کیوں تمہاری بات کا جواب دوں۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"اس لئے کہ تم مصیبت میں پھنس گئی ہو۔ کسی وقت بھی پولیس ادھر کا رخ کر سکتی ہے۔ سہیل ایک آدمی کو اپنا تحریری بیان دے کر مرا ہے۔"

"کیا وہ بیان میرے خلاف ہے۔"

"نہ ہوتا تو کسی کو علم ہی کیسے ہوتا کہ تم نے اُسے پٹوایا تھا۔"

صبیحہ کچھ نہ بولی۔

اُسی نقاب پوش نے پھر کہا۔ "بہتری اسی میں ہے کہ اپنے معاون کا نام بتادو۔"

"میں پوچھتی ہوں تم لوگ کس کی اجازت سے اس کمپاؤنڈ میں دخل ہوئے ہو۔"

"خیر.... بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ تم کن خطرات سے دوچار ہو۔" اس نے کہا۔

پھر اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔ "کوئی خاص چیز۔"

"نہیں....!" کسی نے جواب دیا۔

وہ پھر صبیحہ کی طرف مڑ کر بولا۔ "ڈرائیور.... تمہارا ڈرائیور کہاں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ابھی حال ہی میں تمہارے یہاں آیا ہے۔"

"تمہارا خیال درست ہے.... لیکن میں کیا بتا سکوں گی کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔"

"حالانکہ اس وقت یہاں اس کوٹھری میں تمہاری موجودگی بہت کچھ بتا رہی ہے۔" طنزیہ لہجے میں کہا گیا۔

"شٹ اپ....!" صبیحہ کو پھر غصہ آگیا۔

"آؤ چلیں....!" غالباً اُس نقاب پوش نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا۔

دروازہ کھلا اور وہ تینوں ایک ایک کر کے باہر نکل گئے۔

صبیحہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہی اب پھر فضا پر وہی پہلے کا سا بوجھل سناٹا طاری ہو گیا تھا۔

وہ سوچ رہی تھی کہ آخر اختر کہاں غائب ہو گیا۔ کچھ دیر اُس کی منتظر رہی پھر عمارت کی طرف چل پڑی۔ صدر دروازے سے گذر کر اُسے بند کیا اور اپنے کمرے میں آئی۔

لیکن جیسے ہی مسہری پر نظر پڑی آگ بگولا ہو گئی۔ اختر تو یہاں پڑا سو رہا تھا۔

بے اختیار مسہری کی طرف جھپٹی اور سونے والے کو اس بے دردی سے جھنجھوڑا کہ وہ تڑپ کر مسہری کے نیچے آ پڑا۔

"کہیں نہ سو سکوں گا....!" وہ آنکھیں ملتا ہوا بڑبڑایا۔

"یہ کیا حرکت تھی۔"

"ارے تم نے وہاں پہنچ کر ڈسٹرب کیا تھا تو پھر کیا کرتا۔"

"جاؤ.... نکلو.... چلے جاؤ یہاں سے۔" وہ آہستہ مگر تیز لہجے میں بولی۔

"اب میں جا کر کسی کنویں میں پھاند پڑوں گا۔"

"میری طرف سے جہنم میں چھلانگ لگا دو۔ نکلو.... جلدی چلو۔"

"شب بخیر۔" وہ دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

صبیحہ ڈر رہی تھی کہ کہیں کسی کی آنکھ نہ کھل جائے اس وقت تو یہ بہروپیا ڈرائیور والے بہروپ میں بھی نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر صدر دروازے کی طرف آئی اور اُسے بولٹ کر کے کمرے میں واپس چلی آئی۔



صفدر متحیرانہ انداز میں ساجدہ کی کہانی سن رہا تھا۔ اُسکے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "پھر کیا ہوا؟"

"کچھ بھی نہیں.... خواہ مخواہ پورے شہر میں چکراتی رہی تھی۔ چلو اسی بہانے پورا شہر تو دیکھ لیا۔ تقریباً ڈھائی بجے رات کو گاڑی کے ٹرانسمیٹر پر وہی بھرائی ہوئی سی آواز سنائی دی تھی اور مجھے اُس سے ہدایت ملی تھی کہ میں گاڑی کو ہوٹل کے قریب ہی چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی جاؤں۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ آواز اسی نقاب پوش کی تھی جو تمہیں اُس عمارت میں ملا تھا۔"

"سو فیصدی یقین ہے۔"

"ہاں....!" صفدر کسی سوچ میں پڑ گیا اور ساجدہ نے پوچھا۔ "وہ کون تھا؟ اُس کا تحکمانہ لہجہ مجھے بُری طرح کھل رہا تھا لیکن کیا کرتی۔"

"پتہ نہیں کون تھا؟" صفدر نے لاپروائی سے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

ساجدہ نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر کہا۔ "اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری کیا پوزیشن ہو گی۔"

"میک اپ میں رہنا فضول ہی ہو گا۔" صفدر بولا۔ "ہمیں احکامات کا منتظر رہنا چاہئے۔"

"کس کے احکامات کا؟"

"پتہ نہیں۔"

"کیوں الجھن میں ڈال رکھا ہے مجھے۔"

"صبر سے کام لو۔"

قبل اسکے وہ کچھ بولتی ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا اور صفدر کاغذ پنسل سنبھال کر بیٹھ گیا۔

کوڈ ورڈز میں کوئی پیغام تھا۔ اختتام کا اشارہ ملتے ہی اُس نے پنسل رکھ دی اور کاغذ کو اس طرح گھورنے لگا جیسے سب کچھ لکھ لینے کے باوجود بھی کچھ نہ سمجھ سکا ہو۔

"کیا بات ہے۔" ساجدہ نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"وہی حضرت ہیں۔" صفدر نے طویل سانس لے کر کہا۔ "فرماتے ہیں کہ اب ساجدہ کے لئے میک اپ میں رہنا ضروری نہیں۔ اگر ان میں سے کوئی اس کے متعلق پھر کچھ پوچھے تو وہ اُسے بتائے کہ آج شام کو چھ بجے عمران اُس سے پبلک گارڈن میں ملنے والا ہے! اور تم آج شام کو چھ بجے پبلک گارڈن میں پہنچ جاؤ۔"

"تو کیا وہ سچ مچ مجھے وہاں ملے گا۔" ساجدہ نے لہک کر پوچھا۔

"میں کیا بتا سکتا ہوں؟" صفدر کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

"عجیب چکر ہے؟"

"ویسے کیا تمہیں یقین ہے کہ اُن لوگوں کو تمہارے بیان پر یقین آ گیا ہو گا۔" صفدر نے پوچھا۔

"نہ آیا ہو گا تو اب آ جائے گا۔ ویسے عمران کو یقین آ گیا ہے شاید کہ وہ لوگ مجھے جھوٹی نہیں سمجھے۔ اُن میں سے کوئی مجھ سے رابطہ ضرور قائم رکھے گا۔"

"ہو گا.... ختم کرو.... میرا خیال ہے کہ اب تم سونا چاہتی ہو۔"

"آ.... ہاں....!" وہ جماہی لے کر بولی۔ "یقیناً.... پچھلی رات ایک پل کے لئے بھی آنکھ نہیں لگی تھی۔"

صفدر کچھ دیر بعد زیرو نائین کا سفری ٹرانسمیٹر سنبھالے ہوئے باہر چلا گیا اور وہ سونے کے

لئے لباس تبدیل کرنے لگی۔ اتنے میں جوزف نے دروازے پر دستک دے کر کہا۔ "میں آسکتا ہوں مسی۔"

"ٹھہرو.....!" وہ جسم پر سلیپنگ گاؤن ڈالتی ہوئی بولی۔

کچھ دیر بعد اُس نے اُسے اندر آنے کی اجازت دی۔

"مجھے بے حد افسوس ہے مسی۔" وہ مسمسی صورت بنا کر بولا۔ "میری غفلت کی بناء پر تمہیں تکلیف اٹھانی پڑی۔"

"مجھے افسوس ہے جوزف کہ تم نے میری وجہ سے اتنی مہلک چوٹ کھائی مگر تم اُس کمرے میں کیوں جا گھسے تھے کیا اُسے مار ہی ڈالا۔"

"اُسکی قسمت مسی مر گیا ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ مار ڈالنے کی نیت سے ہر گز نہیں مارا تھا۔"

"کس نے مشورہ دیا تھا۔"

"کسی نے بھی نہیں مسی۔ بس غصہ آگیا تھا۔"

دفعتاً پھر کسی نے باہر سے دستک دی.... اور جوزف کسی زخمی اور محتاط بھیڑیئے کی طرح آہستہ آہستہ دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔

"ارے کیا کوئی ہے یہاں۔" باہر سے نسوانی آواز آئی۔ زبان انگریزی تھی۔

"کون ہے؟" جوزف غرایا۔

"ریٹا۔"

جوزف نے بُرا سا منہ بنا کر طویل سانس لی اور ساجدہ نے اُسے اشارہ کیا کہ دروازہ کھول دے۔ جوزف نے اس طرح دروازہ کھولا کہ کھلتے ہوئے پاٹ کی اوٹ میں ہوتا چلا گیا۔

ریٹا جبرائیل اندر آگئی اور دروازے کی طرف مڑ کر مسکرائی۔

"اب بہت محتاط ہو گئے ہو۔" اُس نے جوزف سے کہا۔

"ہونا ہی چاہئے مسی۔"

"پتہ نہیں اس ہوٹل میں کیا ہو رہا ہے۔ آج صبح کمرہ نمبر اٹھاون سے ایک نیم مردہ آدمی کو بحالت بیہوشی ہسپتال پہنچایا گیا ہے.... ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ کسی نے اُسے بے دردی سے پیٹا تھا۔"

"بدمعاشوں کا اڈہ ہے یہ ہوٹل۔" جوزف نے غصیلی آواز میں کہا۔

"اوہ.... یہ کون ہیں۔" ریٹا پہلی بار ساجدہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"یہ بھی باس کی سیکریٹری ہیں۔"

"ہوں..... اچھا..... کیا تم شام کی چائے میرے ساتھ پی سکو گے۔"

"میں کسی کے ساتھ کبھی کچھ نہیں کھاتا پیتا۔ کھانا بھی اس طرح چھپ کر کھاتا ہوں کہ کہیں کسی کی نظر نہ پڑ جائے۔"

"یہ کیوں.....؟"

"بس عادت ہے!" جوزف نے کہا۔ "حتیٰ کہ شراب بھی چھپ کر پیتا ہوں۔"

یک بیک ساجدہ نے دیکھا کہ ریٹا نے اپنی پشت ساجدہ کی طرف کرلی ہے اور ایک ہاتھ پیچھے لے جاکر دو انگلیوں سے فتح کا نشان بنایا ہے۔ انجمن کے ممبر جو ایک دوسرے سے پوری طرح واقف نہ ہوں اسی نشان کے توسط سے ایک دوسرے کو پہچان سکتے تھے۔

"آپ بیٹھ جایئے نا..... کھڑی کیوں ہیں۔" ساجدہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ "حالانکہ میں آپ سے متعارف نہیں ہوں لیکن آپ بہرحال میرے کمرے میں آئی ہیں۔"

"اوہ شکریہ۔" وہ ساجدہ کی طرف مڑ کر مسکرائی۔ "میں ریٹا جبرائیل ہوں۔"

"مجھے ساجدہ حبیب کہتے ہیں۔"

ریٹا نے اُس سے مصافحہ کیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"اَب تم باہر جاسکتے ہو۔" ساجدہ نے اُس سے کہا۔

"اوکے مسی۔" جوزف نے ایڑیاں بجائیں اور باہر چلا گیا۔ ویسے اُس کی آنکھوں سے صاف ظاہر تھا جیسے اُسے ساجدہ کا رویہ پسند نہ آیا ہو۔

"مجھے ہدایت ملی ہے کہ تمہاری دیکھ بھال کروں۔" ریٹا نے آہستہ سے کہا۔

ساجدہ نے غسل خانے کی طرف چلنے کا اشارہ کیا پھر دونوں اٹھ کر غسل خانے میں آئیں اور ساجدہ نے دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھادی اور مضطربانہ انداز میں کہا۔ "یہ بہت اچھا ہوا میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں کیسے اور کس طرح اطلاع بھجواؤں۔"

"کوئی خاص اطلاع۔" ریٹا نے پوچھا۔

"ہاں..... آج صبح مجھے عمران کا پیغام ملا ہے۔"

"کیا.....؟"

"آج پانچ بجے شام کو مجھ سے پبلک گارڈن میں ملے گا۔"

"تمہیں یقین ہے؟"

"جو پیغام مجھے ملا تھا میں نے دہرادیا ملے گا بھی یا نہیں۔ اس کے بارے میں وثوق کے ساتھ

کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"کسی قسم کا شبہ تو نہیں ظاہر کیا تمہارے خلاف۔" ریٹا نے پوچھا۔

"نہیں یہ سب یہی سمجھ رہے ہیں کہ مجھے انہیں کی کوششوں کی بناء پر رہائی ملی ہے۔"

"یہ بہت اچھا ہے۔ اچھا اب مجھے اجازت دو۔ میں تم سے رابطہ قائم رکھوں گی۔"

"جوزف اور صفدر سے ہوشیار رہنا۔" ساجدہ بولی۔ "دونوں ہی اپنی اپنی حیثیت کے اعتبار سے بہت چالاک ہیں۔"

"تم فکر نہ کرو۔" ریٹا نے کہا اور دروازہ کھول کر کمرے میں آ گئی۔

پھر وہ سیدھی باہر کے دروازے کی طرف گئی۔ ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور باہر نکل ہی رہی تھی کہ جوزف رکاوٹ بن کر سامنے آ گیا۔ اُسکے دانت نکلے پڑ رہے تھے اور اس کا مطلب تو ساجدہ ہی سمجھ سکتی تھی۔ عام حالات میں لوگ یہی سمجھتے تھے کہ وہ اس طرح خوشی کا اظہار کرتا ہے۔

"کیا بات ہے۔" ریٹا نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں مسی.... بائی بائی۔" وہ ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

ریٹا اُسے گھورتی ہوئی چلی گئی۔ کچھ دیر بعد جوزف اندر آیا اور دروازہ بولٹ کر کے ساجدہ سے بولا۔ "تم نے اُسے کیوں روکا تھا مسی۔"

"بس اکیلے میں جی الجھتا ہے۔ سوچا اسی سے دوستی ہو جائے۔"

"ایسی کوئی بات نہ ہونی چاہئے مسی باس کا حکم نہیں ہے۔"

"جاؤ اپنا کام کرو۔" ساجدہ جھلا گئی۔

"تم جانو.... وہ کسی سے بھی مروت نہیں کرتا۔"

"ارے تو کیا میں اُس کے باپ کی نوکر ہوں۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

اس جواب پر جوزف کے ہونٹ صرف ہل کر رہ گئے۔ اُس نے کچھ کہا نہیں۔ لیکن چہرے پر ایسے ہی تاثرات تھے جیسے اس جواب سے گہرا صدمہ پہنچا ہو۔

کچھ دیر بعد اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "مسی مجھے افسوس ہے۔ میں نے تمہیں غلط سمجھا تھا۔ میں دراصل ایک ایسا کتا ہوں جو مالک کے دوستوں اور دشمنوں کو بخوبی سونگھ سکتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے.... مجھے افسوس ہے۔"

وہ مغموم انداز میں دروازے کی طرف مڑا اور باہر نکل گیا۔

ساجدہ نے جھلاہٹ میں دروازہ بند کر کے بولٹ کیا اور بستر پر آ گری۔



صبح دن چڑھے تک سوتی رہی۔ جگائی نہ جاتی تو شاید ابھی بیدار ہونے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا کیونکہ فجر کی اذان سے پہلے آنکھ نہیں لگی تھی۔

آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے ڈرائیور کا دھیان آیا اور وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔ اُس نے اچھا نہیں کیا تھا اُسے باہر نکال کر؟ وہ لوگ اُس کی مزاج پرسی کے لئے تو آئے نہ ہوں گے۔ انہیں اُس آدمی کی تلاش تھی جس نے سہیل کو مار ڈالنے کی حد تک مارا تھا تو پھر انہوں نے اُسے کب زندہ چھوڑا ہو گا۔

وہ بے اختیاری میں بیرونی برآمدے کی طرف جھپٹی.... لیکن روش پر نظر پڑتے ہی اپنی اس بوکھلاہٹ پر غصہ آگیا۔ وہ تو بڑے اطمینان سے گاڑی کی صفائی کر رہا تھا۔ چہرے پر ایسا ہی سکون تھا جیسے پچھلے کئی دنوں سے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش ہی نہ آیا ہو۔

نظریں ملتے ہی اُس نے ہاتھ اٹھا کر اُسے سلام بھی کیا تھا اور وہ دانت پیستی ہوئی پھر اپنے کمرے کی طرف واپس آگئی تھی۔

اس کم بخت کے متعلق اُس کے دل کی عجیب حالت تھی کبھی تو ایسا لگتا جیسے وہ اُس کے لئے بہت زیادہ فکر مند ہو اور کبھی اس شدت سے طیش آتا کہ کھڑے کھڑے نکال دینے کو جی چاہتا۔

کبھی صورت حرام لگتا اور کبھی تو سچ مچ پیار ہی آنے لگتا اور وہ اُس کیفیت سے پیچھا چھڑانے کے لئے اِدھر اُدھر کی باتیں سوچنے لگتی۔

آج مطلع ابر آلود تھا۔ ہوا میں خنکی تھی۔ بادلوں کے پرے کے پرے آتے اور بڑی دیر تک دھوپ نہ دکھائی دیتی۔ بارہ بجے کے قریب بار بار گاڑی کے ہارن کی آواز آنے لگی اور وہ جھلا کر پھر برآمدے میں نکل آئی۔

اُسے دیکھتے ہی ڈرائیور نے ہانک لگائی۔ "انورسٹی چلئے گا۔"

وہ تیزی سے گاڑی کے قریب آئی اور دانت پیس کر بولی۔ "تو ہارن بجانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں سمجھا شائد آپ پھر سو گئی ہیں۔" اُس نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

"یونیورسٹی کی فکر مجھے ہونی چاہئے تمہیں نہیں۔"

"میں سمجھا.... شاید مجھے بھی ہونی چاہئے۔" وہ مسمسی صورت بنا کر بولا۔

"تم بہت بڑھتے جا رہے ہو۔"

"نہیں اَب تو نہیں بڑھ رہا۔ عرصہ ہوا اطلاع ملی تھی کہ قد پورا ہو چکا ہے۔ جی ہاں۔"

"شٹ اَپ.....!"

"ایز یو پلیز.....!"

وہ اُسے بدستور غصیلی نظروں سے گھورتی رہی پھر غرائی۔ "پچھلی رات وہ لوگ کون تھے۔"

"کون لوگ۔"

"جنہیں تمہاری تلاش تھی اس حد تک کہ انہوں نے کوٹھری کی باقاعدہ تلاشی لی تھی۔"

"میں نہیں جانتا کون تھے۔"

"تم کوٹھری سے بھاگے کیوں تھے۔"

"سونے کے لئے لیکن وہ تمہارے کمرے میں بھی نصیب نہ ہو سکا۔"

"بکواس ہے۔ تم نے کسی قسم کی آہٹ محسوس کر کے وہ حرکت کی تھی۔"

"چلو یہی سمجھ لو..... اگر وہ مجھے پا جاتے تو کیا سمجھتی ہو کہ کوئی اس سے زیادہ اچھی ملازمت دلوا دیتے۔"

"تم ہمیں کسی بہت بڑے جنجال میں پھنساؤ گے۔ انہیں اُس آدمی کی تلاش بھی تھی جس نے سہیل کو مارا تھا اگر پاپا کو علم ہو گیا تو میری شامت ہی آ جائے گی۔"

"لیکن یہ تو سوچو کہ وہ لوگ تمہیں کیوں بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔"

"اپنی تو سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر روپیہ اینٹھنا چاہتے ہیں تو بھلا میرے پاس کیا ہے۔ اس کے لئے..... وہ پاپا کو بلیک میل کرتے اور مجھے پہلے سے ہرگز نہ مطلع کرتے کہ ان کے پاس میرے خلاف بلیک میلنگ کا کچھ مواد بھی ہے۔ وہ تو پاپا ہی کے ذریعہ مجھے اس کا علم ہونے دیتے کہ میری وجہ سے انہیں بلیک میل کیا جا رہا ہے اور چونکہ اچانک وہ بات میرے سامنے آئی اس لئے میں اپنے اعصاب پر قابو نہ پا سکتی اور بے دھڑک اعتراف کر لیتی کہ ہاں مجھ سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ اب تو میں نہایت صفائی سے انکار کر سکتی ہوں بلکہ اپنی صفائی پیش کرنے کے سلسلے میں کوئی پلاٹ بھی گھڑ سکتی ہوں۔"

"بہت ذہین معلوم ہوتی ہو۔" ڈرائیور مسکرایا۔

"لیکن حقیقتاً میں اس معاملے میں خود کو بے حد نروس محسوس کر رہی ہوں۔"

"یونیورسٹی چلو گی یا نہیں۔"

"میں کہیں نہ جاؤں گی۔ خصوصیت سے تمہارے ساتھ تو ہرگز نہیں جا سکتی۔ وہ لوگ تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔ اگر تمہاری بجائے میرے گولی لگ گئی تو کیا ہوگا وہ تھے بھی فلمی

ڈاکو قسم کے لوگ چہرے نقاب میں چھپائے ہوئے تھے۔"

"خود میری سمجھ میں بھی نہیں آتا کہ کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔"

ٹھیک اُسی وقت کچھ لوگ پھاٹک میں گھستے چلے آئے۔ ان میں ایک سب انسپکٹر اور دو کانسٹیبل بھی تھے۔

سادہ لباس والوں میں سے ایک نے چیخ کر کہا۔ "یہی ہے۔"

پولیس والے ڈرائیور کی طرف جھپٹے اور صبیحہ اندازہ ہی نہ کر سکی کہ ڈرائیور کس طرح اچھل کر کار کے اوپر سے گذرتا ہوا دوسری طرف چلا گیا تھا۔ کار دراصل ایسی جگہ کھڑی تھی جس کے دونوں اطراف میں مہندی کی باڑھ تھی۔ لہٰذا اب ڈرائیور تک پہنچنے کے لئے وہ یا تو وہی کرتب دکھاتے جو ڈرائیور نے دکھایا تھا یا پھر مہندی کی قد آدم باڑھ پھاندتے۔

جتنی دیر میں سب انسپکٹر گاڑی کے دروازے کی طرف متوجہ ہوتا ڈرائیور کمپاؤنڈ کی دیوار پھلانگ کر نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

گاڑی کے دروازوں سے گذر کر وہ دیوار کی طرف بھاگتے چلے گئے.... عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ گھر والے سبھی برآمدے میں نکل آئے تھے اور صبیحہ وہیں ہکا بکا کھڑی تھی۔

"ارے کیا ہوا.... کیا ہے۔" بیگم صاحبہ نے چیخ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کیا اور وہ مردہ سی چال چلتی ہوئی برآمدے میں آئی۔

"ڈرائیور کو پولیس نے دوڑایا ہے۔" اُس نے مضمحل سی آواز میں کہا۔

"کیوں....؟"

"پتہ نہیں۔ پولیس والوں کے ساتھ اور لوگ بھی تھے اور انہوں نے ڈرائیور کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا یہی ہے۔"

"پھر کیا ہوا۔"

"ڈرائیور بھاگ نکلا.... وہ اُس کے تعاقب میں گئے ہیں۔"

"صورت ہی سے ڈاکو معلوم ہوتا تھا۔" نانی کھر کھرائیں اور زہریلی نظروں سے صبیحہ کو گھورنے لگیں۔

"اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔" بیگم صاحبہ سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر بولیں۔ "یہ لڑکی جو کچھ نہ کرائے تھوڑا ہے۔"

"میں نے کیا کیا ہے۔"

"میں لائی تھی اُسے.....؟" بیگم صاحبہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولیں۔ "میں نے نوکری دی تھی؟"

"اُس کی پیشانی پر تو کچھ لکھا ہوا نہیں تھا۔" صبیحہ بھی جھنجھلا گئی۔

"اب دیکھ کیا ہوتا ہے۔ پتہ نہیں قاتل ہے یا ڈاکو۔"

پھر وہ ان کی بک جھک کی پرواہ کیئے بغیر سیدھی اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ اس واقعہ سے دل کو اچانک دھچکا سا لگا تھا۔

وہ اُس کے متعلق قطعی نہیں سوچ رہی تھی کہ ابھی پولیس آئے گی اور پتہ نہیں کس قسم کی پوچھ گچھ کرے گی۔ وہ تو بس ڈرائیور ہی کے متعلق سوچے جا رہی تھی؟ کیا وہ کوئی بہت بڑا مجرم تھا؟ پولیس سے بچنے کے لئے یہاں پناہ لی تھی؟ یا اُس تک پولیس کی رہنمائی کرنے والے وہی لوگ تھے جنہیں پچھلی رات اُس کی تلاش تھی وہ لوگ تو پولیس سے متعلق نہیں معلوم ہوتے تھے۔ بھلا پولیس والوں کو کیا پڑی ہے کہ چہرے نقابوں میں چھپائے پھریں۔

وہ مسہری پر اوندھی پڑی سوچتی رہی تھی۔ وقت کا بھی احساس نہیں رہا تھا۔ پھر دروازے پر دستک سن کر چونکی تھی۔ اٹھ کر دروازہ کھولا تھا اور بیگم صاحبہ غرائی تھیں۔ "چل اب کر جوابدہی۔ وہ لوگ ڈرائینگ روم میں بیٹھے ہیں۔ غضب خدا کا ہمارے یہاں پولیس آئی ہے۔"

وہ ڈرائینگ روم میں آئی تھی اور پولیس انسپکٹر نے بے حد نیاز مندانہ لہجے میں ڈرائیور کے متعلق پوچھ گچھ شروع کی تھی۔

صبیحہ نے اُس کی گفتگو سے اندازہ کر لیا کہ ڈرائیور ہاتھ نہیں آسکا۔ پھر صبیحہ کا موڈ یکلخت بدل گیا تھا اور وہ کھل کر باتیں کرنے لگی۔ پولیس انسپکٹر کو تفصیل سے بتاتی رہی کہ کسطرح اچانک اُس کی گاڑی رک گئی تھی اور اُس نے نیچے اُتر کر بونٹ اٹھایا تھا لیکن پرزوں کے متعلق معلومات نہ ہونے کی بناء پر گاڑی رک جانے کی وجہ نہ معلوم کر سکی تھی۔ پھر کسی طرف سے وہ آنکلا تھا اور تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد انجن پھر کام کرنے لگا تھا۔ اُس نے اُسے کچھ دینا چاہا تھا لیکن اس نے لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ملازمت کی تلاش میں ہے اگر کسی بھلے مانس کی گاڑی پر کام مل جائے تو وہ اپنے لواحقین کا پیٹ پال سکے گا ورنہ اب فاقوں کی ہی نوبت آنے والی ہے۔

پھر جب وہ اپنی کہانی ختم کر چکی تھی تو سب انسپکٹر کی زبانی یہ سن کر اُسے اپنے چہرے پر گہرے صدمے کے آثار پیدا کرنے پڑے تھے کہ وہ ایک بہت بڑی ڈکیتی کے کیس میں ماخوذ تھا۔

بیگم صاحبہ نے چھوٹتے ہی پوچھا تھا کہ کیا وہ اُسے پکڑنے میں کامیاب ہو گیا لیکن جواب نفی

میں سن کر اُن کے چہرے پر مایوسی بکھر گئی تھی۔



شام کو پبلک گارڈن میں خاصی بھیڑ رہتی تھی۔ اس کے باوجود بھی بعض حصے بالکل ویران تھے..... بہت بڑا باغ تھا۔

ساجدہ وہاں پہنچ تو گئی تھی لیکن سوچ رہی تھی کہ اُسے کہاں ہونا چاہئے۔ پہلی ہی بار وہ اس طرف آئی تھی کسی مخصوص جگہ کے لئے ہدایت بھی نہیں ملی تھی، ویسے اُسے یقین کامل تھا کہ انجمن کے افراد اس کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک ضرور آئے ہوں گے۔ انہیں عمران کی تلاش تھی۔ وہ اُس کے خون کے پیاسے تھے۔

وہ سوچ رہی تھی کیا عمران سچ مچ اُس سے یہاں ملے گا؟ یا کوئی اور چکر ہے؟

وہ باغ کے مختلف حصوں میں گھومتی پھری۔ ابھی پانچ نہیں بجے تھے۔ وہ تقریباً بیس منٹ پہلے یہاں پہنچ گئی تھی۔

پانچ بجے کیا ہوگا؟ وہ سوچتی رہی اور دل کی دھڑکنیں آہستہ آہستہ تیز ہوتی رہیں۔

اس نے سوچا تھوڑی عقل بھی استعمال کی جائے۔ ظاہر ہے کہ وہ کسی ویران ہی گوشے میں ملے گا۔ مخالفین بھی یہی توقع رکھتے ہونگے پھر بھرے پُرے حصوں میں ٹہلتے پھرنے سے کیا فائدہ۔

وہ ایک ویران حصے کی طرف چل پڑی..... اُس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ انجمن کے اُن افراد کی تعداد بھی معلوم کر سکے گی جو اس کے تعاقب میں ہوں گے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ دور دور تک کسی متنفس کا پتہ نہ تھا۔

اُس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ پانچ بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی تھے۔ دل کی دھڑکن تیز سے تیز تر ہوتی رہی۔

دفعتاً قریب ہی جھاڑیوں میں سرسراہٹ ہوئی اور وہ چونک پڑی۔ پھر ایک ہاتھ نظر آیا جس میں سیاہ رنگ کا خوفناک ریوالور تھا۔ اُس کا منہ حیرت اور خوف سے کھل گیا لیکن وہ فوری طور پر نہ تو کچھ سمجھ ہی سکی اور نہ فیصلہ کر سکی کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

پھر یک بیک اُسی ریوالور سے دھواں نکلا دھماکہ ہوا اور وہ چیخ کر گر پڑی۔

بدحواسی میں اس کا بھی احساس نہیں تھا کہ وہ گر پڑنے کے بعد بھی بڑے بے ڈھنگے پن سے چیخے جا رہی ہے..... گولی تو لگی نہیں تھی..... فائر ضرور ہوا تھا اور اُس نے اپنے کان کے قریب

سنسناہٹ کے ساتھ ہی آنچ بھی محسوس کی تھی۔

چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے۔ کچھ بدحواسی میں مبتلا ہو کر نکاسی کے راستے کی طرف دوڑے.... کئی ان جھاڑیوں میں جا گھسے جہاں سے فائر ہوا تھا۔

ساجدہ کے گرد بھیڑ لگ گئی اور شاید بھیڑ ہی اُس کے ساکت ہو جانے کی وجہ بنی تھی۔ اب وہ زمین پر بے سدھ پڑی اس طرح پلکیں جھپکا رہی تھی جیسے سچویشن کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

پھر کسی نے اُس سے پوچھا تھا۔ "آپ ٹھیک تو ہیں....؟" اور وہ کراہ کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"کس نے فائر کیا تھا....؟" مجمع میں ہی سے کسی نے پوچھا۔

"آپ کو میڈیکل ایڈ کی ضرورت ہے۔" اُن میں سے ایک نے جلدی جلدی کہا پھر دوسرے سے بولا۔ "گاڑی فوراً یہیں لاؤ۔ اس وقت یہاں کا عملہ معترض نہ ہو گا۔ جلدی کرو۔"

ساجدہ نے دیکھا کہ وہ انگلیوں سے انجمن کا نشان وکٹری بھی بنائے ہوئے ہے۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

جلد ہی اُس نے کسی گاڑی کے انجن کی آواز سنی اور خلاف قاعدہ وہ گاڑی روش سے لان پر اتر کر اُس کے قریب آ لگی۔

"چلئے اٹھئے....!" اُس آدمی نے ساجدہ کا بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

وہ گاڑی میں بیٹھ تو گئی لیکن ذہن کچھ سوچنے سمجھنے سے قاصر تھا۔

اتنے میں ایک آدمی جو شائد گارڈن کے ذمہ داران میں سے تھا الجھ پڑا۔ وہ اسٹیئرنگ پر بیٹھے ہوئے آدمی سے کہہ رہا تھا کہ پولیس کے آئے بغیر وہ وہاں سے نہیں جا سکتے۔

"میں ڈاکٹر ہوں۔" اُسے جواب ملا۔ "میں سمجھ سکتا ہوں کہ ان کے اعصاب اس صدمہ سے کس درجہ متاثر ہوئے ہیں۔ میرا فرض ہے کہ انہیں میڈیکل ایڈ ملنے میں تاخیر نہ ہونے دوں۔ میرا ساتھی پولیس کے آنے تک یہیں ٹھہرے گا۔ میں ہسپتال پہنچ کر خود ہی پولیس کو مطلع کر دوں گا۔"

پھر قبل اس کے کہ وہ کچھ اور کہتا انجن دوبارہ بیدار ہوا اور گاڑی تیزی سے روش پر چڑھ گئی۔

گارڈن کے گیٹ سے باہر نکل آنے کے بعد ڈرائیو کرنے والے نے پوچھا۔ "تم زخمی تو نہیں ہوئیں۔"

"نہیں....!" ساجدہ نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"میڈیکل ایڈ کی ضرورت تو نہیں۔"

"نہیں.... میں ٹھیک ہوں۔"

"کیا تم فائر کرنے والے کی شکل دیکھ سکی تھیں۔"

"نہیں....!"

"بچ کر نہیں جاسکتا۔ جو کوئی بھی ہو۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ....!"

"تمہیں یقین ہے کہ وہی تھا۔"

"کیا کہہ سکتی ہوں جب کہ صورت نہیں دیکھ سکی تھی۔ بس ایک ہاتھ جھاڑیوں سے نکلا تھا۔ قبل اس کے کہ کچھ سوچ بھی سکتی فائر ہو گیا تھا۔"

"ہوں....!"

پھر کوئی کچھ نہ بولا۔ گاڑی تیزی سے راستہ طے کرتی رہی۔ ساجدہ سوچ رہی تھی دیکھئے اب کیا ہوتا ہے؟ کہاں لے جائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اب وہ اُسے اس کے ہوٹل تک پہنچانے سے تو رہا۔ انجمن ہی کے کسی ٹھکانے پر لے جائے گا۔ جی تو چاہا کہ اس سلسلے میں استفسار کرے لیکن پھر خاموش ہی رہی۔ اس وقت تو سب کچھ ہی غیر متوقع طور پر ظہور میں آیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اُسے ان حالات سے گذرنا پڑے گا۔

وہ سوچتی رہی اور پھر ڈرائیور کی آواز سن کر چونک پڑی۔

وہ کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں ایک سنسان عمارت میں اُتار دوں گا۔"

"سنسان عمارت میں۔" ساجدہ نے حیرت سے دہرایا اور خود اُسے اپنی آواز اجنبی اجنبی سی لگی۔

"ہاں کوئی فکر کی بات نہیں۔"

"لیکن سنسان عمارت میں کیوں؟"

"دراصل میں خود فیصلہ نہیں کر سکا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ لہٰذا رپورٹ دے کر تمہارے پتہ سے آگاہ کر دوں گا۔"

ساجدہ نے بدقت خود کو روکا۔ ورنہ اس کے بعد تو وہ یہی پوچھتی کہ کس کو آگاہ کرے گا۔ کسے رپورٹ دے گا....؟ اس نے ایک طویل سانس لی اور نشست کی پشت سے ٹک گئی۔

تن بہ تقدیر ہو جانے کے علاوہ اور کیا چارہ تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ عمارت مختصر ہی سی تھی لیکن اس کے گرد بہت بڑے رقبے میں لان اور باغ تھے۔

"یہ کنجی ہے۔" ڈرائیور نے جیب سے ایک کنجی نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اندر ضروریات کی ساری چیزیں تمہیں مل جائیں گی۔"

"تت.... تو میں یہاں بالکل تنہا ہوں گی۔" ساجدہ نے پوچھا۔

"شائد زیادہ دیر تک کے لئے نہیں۔ اچھا اب گاڑی سے اُتر جاؤ۔"

وہ طوعاً و کرہاً گاڑی سے اُتری۔ اندھیرا پھیلنے لگا تھا لیکن ابھی اتنا اجالا تو تھا ہی کہ وہ بیرونی برآمدے کا جائزہ لے سکتی۔

اُس کے اترتے ہی گاڑی ریورس گیئر میں پھاٹک کی طرف دوڑتی چلی گئی تھی۔ بس پھاٹک ہی پھاٹک تھا اس میں کواڑ نہیں تھے۔

ساجدہ نے مڑ کر دیکھا۔ گاڑی نے پھاٹک سے بھی گذر کر رخ بدلا تھا اور تیزی سے ایک طرف روانہ ہوگئی تھی۔

"کیا مصیبت ہے؟" وہ بڑبڑاتی ہوئی برآمدے کی سیڑھیاں طے کرنے لگی۔

صدر دروازے پر قفل نظر آیا۔ آگے بڑھ کر اُس نے کنجی لگائی۔ قفل کھول کر دروازے کو دھکا دیا۔ نیم تاریک سی راہداری نظر آئی.... اندر داخل ہوتے ہی بائیں جانب سوئچ بورڈ نظر آیا جس پر صرف ایک ہی سوئچ تھا۔

سوئچ آن کرنے پر راہداری روشن ہوگئی اور وہ دروازے کو بند کئے بغیر آگے بڑھتی رہی۔

عمارت صرف چار کمروں پر مشتمل تھی۔ روزانہ زندگی کے سارے لوازم سے متعلق چیزیں وہاں موجود تھیں۔ کچن میں پہنچ کر ریفریجریٹر کھولا تھا تو اُس میں دودھ کی بوتلیں تک ملی تھیں۔

پوری عمارت کا جائزہ لینے کے بعد وہ سوچنے لگی کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وقت کاٹنے کے لئے کچھ تو ہونا ہی چاہئے۔

وہ پھر باورچی خانے میں واپس آئی۔ اُس نے سوچا سب کچھ موجود ہے تو پھر چائے ہی کیوں نہ بنائی جائے۔ بجلی کا چولہا جلا کر پانی سے بھری ہوئی کیتلی اُس پر رکھ دی۔

کچھ دیر بعد ایسا محسوس ہوا جیسے اُس نے کسی قسم کی آواز سنی ہو۔ وہ ہمہ تن گوش ہوگئی۔ دوسری بار یقین ہوگیا کہ وہ قدموں کی چاپ ہی تھی اور زیادہ دور نہیں معلوم ہوتی تھی۔ غالباً قریب ہی کے کمرے میں کوئی چل رہا تھا۔ وہ تیزی سے باورچی خانے سے نکلی اور اُسی کمرے کی طرف چل پڑی۔

اب آواز تو نہیں سنائی دے رہی تھی لیکن چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یہاں اُس کے علاوہ

بھی کوئی موجود ہے۔۔۔۔اُس کمرے میں کوئی بھی نہ ملا۔ پھر اُس نے دوسرے تین کمرے بھی چھان مارے لیکن لا حاصل۔

کچھ دیر بعد وہ اُسے واہمہ سمجھ لینے پر مجبور ہو گئی۔ پھر خیال آیا کہ پانی تو ابلنے لگا ہو گا اس لئے دوبارہ باورچی خانے کی طرف واپس آنا پڑا۔ ابلتے ہوئے پانی میں چائے کی پتی ڈالی اور پھر کان کسی آہٹ کی طرف لگا دیئے۔

جلد ہی وہ پھر کمروں کی جانب واپس آئی۔ چائے کا کپ بھی ساتھ ہی لیتی آئی تھی۔ اُسے میز پر رکھ کر بیٹھ گئی۔ بائیں جانب کتابوں کی الماری تھی جس میں خوش نما گٹ اپ والی کتابیں چنی ہوئی تھیں۔ ہاتھ بڑھا کر ایک کتاب نکالی اور اُسکی ورق گردانی کرتی ہوئی چائے کی چسکیاں لیتی رہی۔

دفعتاً ایسا محسوس ہوا جیسے کتاب کے حروف کانپنے لگے ہوں۔ رفتہ رفتہ سطریں آپس میں گڈمڈ ہونے لگیں اور اس نے بوکھلا کر چائے کا کپ میز پر رکھ دیا۔ اور اب اُسے محسوس ہوا کہ اس کا سر چکرا رہا ہے۔ کتاب بھی ہاتھ سے چھوٹ پڑی اور دوبارہ نہیں اٹھائی جا سکی اس کا سر صوفے کی پشت سے جا لگا تھا۔ پلکیں جھکتی چلی گئیں۔۔۔۔ وہ کوشش کر رہی تھی کہ آنکھیں کھولے رکھے مگر ممکن نہ ہوا۔

پھر وہ گرد و پیش سے بے خبر ہو گئی۔ پتہ نہیں کتنی دیر تک اس حال میں رہی تھی۔ بہر حال دوبارہ سر اٹھانے کے قابل ہوئی تو اندازہ کرنا دشوار تھا کہ کتنی دیر تک بے خبری کے عالم میں رہی ہے؟ لیکن یہ وہ کمرہ تو ہر گز نہیں تھا اگر ہوتا تو بائیں جانب والی کتابوں کی الماری ضرور دکھائی دیتی۔ وہ صوفہ سیٹ بھی نہیں تھا۔ وہ میز کہاں گئی جس پر اُس نے چائے کی پیالی رکھی تھی۔

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگی اور پھر یک بیک اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کمرے میں تو دروازہ بھی نہیں تھا۔ چاروں طرف سپاٹ دیواریں کھڑی تھیں اور سر پر سادہ سی چھت تھی۔ کہیں کوئی روشندان بھی نہ دکھائی دیا۔

کمرہ کافی کشادہ تھا لیکن اس کی ساخت کی بناء پر دم گھٹنے لگا تھا۔ اس نے دیوار کو چھوتے ہوئے پورے کمرے کا چکر لگایا۔ دیواریں بھی سخت تھیں۔ انہیں ٹھونک بجا کر بھی دیکھا لیکن وہ لکڑی یا ہارڈ بورڈ کی نہ ثابت ہو سکیں۔

اوہ۔۔۔۔ تو کیا یہ اس کا مقبرہ ہے؟ اس نے سوچا اور پھر قریب تھا کہ اس کے حلق سے ہسٹریائی انداز کی چیخیں نکلنے لگیں تیز قسم کی سرسراہٹ سنائی دی اور سامنے والی دیوار درمیان سے شق ہو کر ادھر اُدھر سمٹی چلی گئی۔ اب اُس کے سامنے ایک بہت بڑا ہال تھا۔

ہال کے اختتام پر اسٹیج سا نظر آیا جس پر صرف ایک آدمی کھڑا دکھائی دے رہا تھا۔ دبلا پتلا لمبا سا آدمی.... فاصلہ زیادہ ہونے کی بناء پر اُس کے خدوخال نظر میں واضح نہیں تھے۔

وہ ساکت و سامت کھڑی رہی۔ دفعتاً لمبے آدمی نے ہاتھ ہلا کر اُسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا اور غیر ارادی طور پر اُس کے قدم اُسی جانب اٹھتے رہے۔

کچھ آگے بڑھنے پر لمبے آدمی کا چہرہ جانا پہچانا سا معلوم ہونے لگا۔ اور پھر جہاں سے اُس نے اُسے پوری طرح پہچانا بس وہیں کی ہو کر رہ گئی۔

کوشش کے باوجود بھی قدم آگے نہیں بڑھ رہے تھے۔

یہ تو.... یہ تو وہی ہے جس نے پروفیسر راشد کے کاغذات نکال لے جانے کی کوشش کی تھی؟ وہی جو خود اُسے اٹھالے گیا تھا اور ایسی بیہودہ حرکتیں کی تھیں کہ وہ اُس کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔

پہلے عمران نے اُسے اُس کا نام داور بتایا تھا لیکن پھر یہی داور پروفیسر راشد کے تہہ خانوں میں کسی دوسرے روپ میں نظر آیا تھا۔ لیکن صورت سے تو ہر حال میں حرام زدگی ہی ظاہر ہوتی تھی۔

''آؤ.... آؤ....!'' دفعتاً اُس نے پیار بھرے لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔ ''ڈرو نہیں۔ میں ایسا مرد نہیں ہوں جس سے عورتیں خوف کھائیں۔ بعض اوقات صبح سے شام تک عورتوں کی جوتیاں کھاتا رہتا ہوں۔''

وہ پھر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلی اور خود اُسے اپنی طرف آتے دیکھا۔

قریب پہنچ کر وہ اُسی طرح خادمانہ انداز میں جھکا تھا۔ جیسے ساجدہ کا زر خرید غلام ہو۔

''آخر ملکہ عالیہ اس خادم سے خفا کیوں ہیں۔'' اُس نے گڑگڑا کر کہا۔

ساجدہ سوچ رہی تھی یوں کام نہ بنے گا۔ اگر تم ہچکچاتی رہیں تو اپنا سب کچھ کھو بیٹھو گی؟

وہ بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی اور خالص شاہانہ لہجے میں بولی۔ ''ہمیں یاد نہیں کہ ہم نے تجھے کہاں دیکھا تھا۔''

''تلوے کی خاک پر کس کی نظر رہتی ہے علیا حضرت۔'' وہ کم بخت بھی ڈائیلاگ ہی بولنے پر تل گیا تھا۔

''حاضر جوابی پر ہم خوش ہوئے۔ لیکن فی الحال کنگال ہیں ورنہ انعام ضرور دیتے ہیں۔''

''خزانہ حسن سے کچھ عطا ہو جائے۔''

''یہ لو.... تھو....!'' ساجدہ نے اُس کے منہ پر تھوک دیا۔

اس نے بڑے اطمینان سے رومال نکال کر چہرہ صاف کیا اور بے حد سنجیدگی سے بولا۔ ''میں اس کا مستحق تو نہیں تھا لیکن بڑی قدر افزائی ہوئی۔ علیا حضرت۔''

''ہمارے سینڈل بھی بہت مضبوط ہیں۔''

''جو مزاج حسن میں آئے۔'' اُس نے سر جھکا کر کہا۔

''بکواس بند کرو۔'' ساجدہ شیر ہوتی جارہی تھی۔

''پھر علیا حضرت کیا سماعت فرمانا پسند فرمائیں گی۔''

''میں نہیں سمجھ سکتی کہ ایسے بیہودہ لوگ کیسے انجمن میں بار پاتے ہیں۔''

''میں خود ہی ایک علیحدہ انجمن ہوں علیا حضرت۔ آپکی انجمن سے میرا کوئی تعلق نہیں۔''

''لیکن میں یہاں انجمن ہی کے ایک فرد کے ہمراہ آئی تھی۔''

''کہیں اور گئی ہوں گی.... یہاں تو آپ نے محض اس خادم کی کوششوں کی بناء پر قدم رنجہ فرمایا ہے۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''حضور جس کی آہٹ پر باورچی خانے سے نکل آئی تھیں وہ یہی خادم تھا۔''

''اوہ سمجھی۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔ ''پھر جب میں کمرے میں پہنچی تو تم دوسری طرف سے باورچی خانے میں جا پہنچے تھے اور چائے کے پانی میں کوئی خواب آور چیز ڈال دی تھی۔''

''چائے کے پانی میں نہیں بلکہ دودھ کی بوتلوں میں ڈالی تھی۔''

''کیوں....؟''

''اس لئے کہ علیا حضرت کو یہاں لانا چاہتا تھا۔''

''تو پھر ریوالور سے فائر بھی تمہیں نے کیا ہوگا۔''

''اس کہانی کے سننے کا اشتیاق ضرور ہے کیا آپ اسے دہرانا پسند فرمائیں گی۔''

''مت بکواس کرو۔ تم نے ہی فائر کیا ہوگا ورنہ عمران کیا جانے کہ میں اُسے دھوکا دے رہی ہوں۔''

''ایک بات ہے علیا حضرت! عمران کسی عورت پر فائر نہیں کر سکتا۔''

''کیا مطلب۔''

''وہ کسی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔''

''پھر وہ کون تھا....؟''

''ہو سکتا ہے عمران ہی رہا ہو۔''

"کیسی بے تکی باتیں کر رہے ہو۔ کر بھی سکتا ہے.... نہیں بھی کر سکتا؟"

"حضور کو مار ڈالنے کی نیت سے اس نے فائر نہ کیا ہوگا۔"

"پھر وہی بکواس۔ اُس نے مجھے وہاں ملنے کے لئے بلایا تھا۔"

"ہو سکتا ہے؟" اُس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"تو پھر....؟"

"بھلا میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ حضور عمران کی وفادار ہیں یا اپنی انجمن کی۔"

"اچھا تو پھر....!"

"میں تو حضور کو اس انجمن کی انڈر سیکریٹری بنانا چاہتا ہوں۔" اس نے اپنی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"شٹ اپ....!"

"خوبصورت عورتوں کی ڈانٹ پھٹکار بھی میرے لئے لذت آگیں ہوتی ہے۔"

"حد سے زیادہ نہ بڑھو داور....!"

"داور نہیں سنگ ہی۔ میرا نام سنگ ہی ہے.... میں چینی ہوں۔"

"تم کوئی بھی ہو بکواس بند کرو اور مجھے وہیں پہنچا دو جہاں مجھے ہونا چاہئے تھا۔"

"تمہیں تو یہیں ہونا چاہئے تھا۔" سنگ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اور تم یہیں ہو۔ ہمیشہ یہیں رہو گی۔"

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ اُسے قہر آلود نظروں سے گھورے جا رہی تھی اور سنگ کے ہونٹوں پر ہڈیاں جھلسانے والی مسکراہٹ تھی۔

"میں اپنی محبوباؤں کی بے حد عزت کرتا ہوں۔"

ساجدہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُس سے کس طرح پیش آئے۔ اس سے زیادہ ڈھیٹ آدمی آج تک اُس کی نظر سے نہیں گذرا تھا۔ وہ خود بہت زیادہ اسٹریٹ فارورڈ تھی لیکن اس وقت کٹی جا رہی تھی۔

"تو پھر کیا فیصلہ کیا علیا حضرت نے....؟"

"خاموش رہو۔"

"چلئے یہ بھی سہی....!" وہ اُس کے پیروں کے قریب فرش پر بیٹھتا ہوا بولا اور وہ بوکھلا کر

پیچھے ہٹ گئی۔

اب دونوں ہی خاموش تھے۔ سنگ اُس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کرتا اور وہ نظریں چراتی.... آخر وہ کچھ کہے بغیر اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا پھر اسٹیج کی طرف چلا گیا۔

ساجدہ وہیں کھڑی رہی۔ عجیب پوزیشن میں تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ دفعتاً ہلکی سی آواز میں ساز بجنے لگا اور یہ آوازیں چاروں طرف سے آتی محسوس ہوتی تھیں۔ ہو سکتا تھا دیواروں کے اندر ریکارڈر فٹ رہے ہوں۔

سنگ اسٹیج پر کھڑا سازوں کی آواز پر تھرک رہا تھا۔ اُس کے ہاتھوں میں بوتل اور گلاس تھے.... وہ اسی طرح تھرکتا اور ناچتا ہوا اسٹیج سے اتر کر اُس کی طرف بڑھنے لگا۔

قریب آکر بولا۔ ''بہترین.... کئی برسوں کی پرانی پرتگالی شراب ہے۔ تم بھی پیو اور مجھے بھی پلاؤ.... اسی کا نام زندگی ہے.... لو اینڈ لیو.... پیو.... پلاؤ....''

''پیچھے ہٹو....'' ساجدہ قریب پڑی ہوئی ایک کرسی اٹھاتی ہوئی بولی ''ہٹو.... ورنہ سر پھوڑ دوں گی۔''

''چلو یہ بھی برداشت کرلوں گا اگر مجھ سے محبت کرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔''

''بہن نہیں ہے تمہاری کوئی....!'' ساجدہ نے جل کر پوچھا۔

''صرف ماں تھی۔'' سنگ نے مغموم لہجے میں کہا۔ ''وہ بھی عرصہ ہوا مر چکی ہے۔''

''پیچھے ہٹو سور....!'' ساجدہ نے کرسی گھمائی کیونکہ وہ آہستہ آہستہ اُس سے قریب ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ سنگ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور پھر آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا کر بولا۔ ''تم عمران کو چاہتی ہو۔''

''ہاں تو پھر.... تجھ سے کیا۔''

''میں بہت جلد اُسے مار ڈالوں گا۔''

''تو میرا کیا بگڑے گا۔'' ساجدہ نے سنبھل کر کہا۔ بے اختیاری میں وہ عمران سے اپنی محبت کا اعتراف کر بیٹھی تھی۔ حالانکہ ان لوگوں کے سامنے تو اُسے اُس کی مخالفت ہی کا بہروپ بھرنا تھا۔

''تم اُس کے لئے روؤ گی.... تڑپو گی۔''

''میں تو اُس کی ہڈیاں اپنے دانتوں سے چبانا چاہتی ہوں کیونکہ اُسی کی بدولت اس حال کو پہنچی ہوں۔''

''تو پھر آؤ.... میرا کلیجہ ٹھنڈا کرو۔'' سنگ ہی نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔

"میں تمہیں ساری دنیا کی ملکہ بنادوں گا۔"

"میں تمہارا ابھی منہ کچل دوں گی سمجھے۔"

"دنیا میں کسی مرد کی ہو بھی سکو گی یا نہیں۔"

"نہیں.... کیونکہ میں بھی مرد ہی ہوں۔"

"نہیں چلے گی۔" وہ انگلی اٹھا کر بولا۔ "تمہاری پوری ہسٹری سے واقف ہوں۔"

"ہوا کرو.... لیکن تم جیسے چمگادڑ شکل کے مردوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"ادھر دیکھو....!" سنگ نے آہستہ سے کہا۔

اس نے اُسکی طرف دیکھا اور کرسی پھینک ماری۔ اور اب تو اس کے منہ سے بے تکی گالیوں کا طوفان امنڈ رہا تھا۔ سنگ ہی دور کھڑا ہنستا رہا۔ لیکن ساجدہ اُس کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی۔



پولیس کی پوچھ گچھ کے بعد بھی صبیحہ کو کافی دیر تک بور ہونا پڑا تھا ماں اور نانی کی ڈانٹ پھٹکار قریب قریب دو گھنٹے تک جاری رہی۔

سرِ شام ہی وہ اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔ رات کا کھانا بھی نہ کھایا اور پھر کسی نے پرواہ کب کی تھی۔ جھوٹے منہ پوچھا بھی نہیں تھا۔

وہ بستر پر پڑی اُس پُر اسرار آدمی کے متعلق سوچے جا رہی تھی۔ اُس کے اس طرح جانے سے اُسے گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی اب کیا ملاقات ہو سکے گی کبھی.... اب اس الزام کی بناء پر وہ خود ہی اِدھر کا رخ نہیں کرے گا۔ لیکن وہ یہیں کیوں رہ پڑا تھا۔ آخر اسی بنگلے کے سامنے کیوں کھڑا پایا گیا تھا اور پھر کار کی ڈکے میں چھپ کر اُس کے ساتھ اُس مقام تک کیوں گیا تھا جہاں سہیل کی پٹائی ہوئی تھی۔

پھر اس بلیک میلنگ اسٹف کا خیال آیا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ بوریت محسوس کرنے لگی۔ اختر نے تو پتہ لگایا تھا کہ وہ خط اس کے فائل میں کس نے رکھا تھا لیکن اگر اب کچھ ہوا تو کیا ہوگا۔ آخر وہ بلیک میلر اُس سے کیا چاہتا ہے؟

کچھ دیر تک وہ بلیک میلر ہی کے متعلق سوچتی رہی اور پھر خیالات کی رو دوبارہ ڈرائیور کی طرف مڑ گئی۔ اس کا سامان کوٹھری ہی میں پڑا رہ گیا تھا۔ کیا اُس کے سامان میں کوئی ایسی چیز مل جائے گی جو اُس کی اصلیت پر روشنی ڈال سکے؟ اوہ کیوں نہ اُس کا سامان دیکھا جائے۔ پتہ نہیں

کیوں پولیس والوں نے اُس کا سامان دیکھنے کے لئے نہیں کہا تھا۔ صرف پوچھ گچھ کر کے چلے گئے تھے۔ ممکن ہے وہ پھر آئیں.... اور سامان کا بھی مطالبہ کریں۔

سامان ہی کیا تھا ایک پرانا سوٹ کیس اور ایک میلا سا بستر۔ پچھلی رات اُن نقاب پوشوں نے بھی اُس کے سامان کی تلاشی لی تھی۔

اوہ.... اختر.... اختر.... اختر.... اگر واقعی اُس کا نام اختر ہی تھا تو اس اتفاق کو کیا کہا جائے۔ میرے خدا کیا ہونے والا ہے۔

گھڑی نے گیارہ بجائے اور وہ بستر سے اٹھ گئی۔ آج تو نہ بھوک یاد رہی تھی اور نہ پیاس۔ اس کا خیال تھا کہ گھر کے سب لوگ سو گئے ہوں گے۔

خیال غلط بھی نہیں تھا۔ وہ دبے پاؤں اپنے کمرے سے نکلی اور احتیاط سے چلتی ہوئی صدر دروازے تک آئی۔ بہ آہستگی دروازہ کھولا اور برآمدے سے روش میں اتر آئی۔

کچھ دیر بعد مالی کی کوٹھری کا دروازہ کھولا.... اور اندر داخل ہو کر دروازہ بند کرنے کے بعد ٹارچ روشن کی۔

پھر بدقت تمام اپنے حلق سے نکلنے والی آواز کو روک سکی تھی کیونکہ وہ تو چارپائی پر پڑا بے خبر سو رہا تھا۔

لیکن اس وقت اپنی اصلی صورت میں تھا۔ تنفر پیدا کرنے والی مونچھیں چہرے پر نہیں تھیں.... وہ دم بخود کھڑی اسی کو دیکھتی رہی۔ اس کا خیال رکھا تھا کہ ٹارچ کی روشنی براہِ راست آنکھوں پر نہ پڑنے پائے۔

کتنی معصومیت تھی چہرے پر جیسے کوئی شریر بچہ تھک کر سو گیا ہو۔ اب اگر ایسے میں کوئی آکر گردن ناپ جائے تو.... مگر واہ ری دلیری.... کتنے مزے میں آکر سوئے ہیں حضرت۔ ایسا لگتا ہے جیسے یہ ان کے باپ کی جاگیر ہو۔ اس کا بھی دھیان نہ آیا کہ کس حال میں فرار ہوئے تھے۔ اچھا جی.... ابھی قدرِ عافیت معلوم ہو جائے گی۔

رگ شرارت پھڑک اٹھی تھی۔ ٹارچ بجھا کر بغل میں دبائی اور گھٹنوں کے بل چارپائی کے نیچے گھس گئی۔ پھر اچھل کر نیچے سے ٹکر مارنے ہی والی تھی کہ اوپر سے آواز آئی۔ ”میں مر چکا ہوں۔ اس لئے کیا فائدہ۔“

”مر بھی چکو کسی صورت سے....!“ وہ جھلا کر بولی اور چارپائی کے نیچے سے نکل آئی۔ شرارت سے قبل والے لذت انگیز ہیجان پر اوس پڑ چکی تھی۔

وہ ویسے ہی چت لیٹا رہا۔ صبیحہ نے پھر ٹارچ روشن کرلی۔

"نہیں اسے بجھا دو۔" اُس نے کہا۔ "ورنہ اگر کوئی روشنی دیکھ کر ادھر آگیا تو؟"

"تم نے دوبارہ یہاں آنے کی جرأت کیسے کی؟"

"پھر کہاں جاتا.... رات بسر کرنے کے لئے چھت ضروری ہوتی ہے۔"

"اگر میں پولیس کو اطلاع دے دوں تو۔"

"جتنی دیر اطلاع دینے میں لگے گی میں سان فرانسسکو جا پہنچوں گا۔"

"میں پوچھتی ہوں تم آئے کیوں....؟"

"دن کے اجالے میں تم مجھے یہاں نہ پاؤ گی۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد کہا۔ "آخر تم نے کون سا جرم کیا ہے جس کی بناء پر پولیس تمہیں گھیرتی پھر رہی ہے۔"

"اس کا خیال ہے کہ میری شادی بین الاقوامی تعلقات پر اثر انداز ہوگی لیکن میں فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ خود میں ابھی تک ایک یوزلس نان سنس آرگنائزیشن یعنی .... یو۔این۔اُو ہوں۔"

"بیکار باتیں نہ کرو ٹھیک سے بتاؤ۔"

"اچھا تو سنجیدگی سے سنو۔" وہ اٹھ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "میں عرصہ سے اُس بلیک میلر کو تلاش کر کے قتل کر دینے کی فکر میں ہوں۔ اس نے بہتیری زندگیوں کو جہنم بنا رکھا ہے۔"

"وہ.... وہ.... یعنی کہ وہ....؟"

"ہاں....! وہی جس نے تمہیں لکھا تھا....؟"

"لیکن .... لیکن .... تم سیدھے یہیں کیوں چلے آئے۔ کیا تمہیں معلوم تھا کہ مستقبل قریب میں بلیک میل کی جانے والی ہوں۔"

"یہ محض اتفاق تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ سامنے والی عمارت کا اُس بلیک میلر سے تعلق ہے اُس رات بھی اُس کی تاک میں تھا کہ تمہارے ملازموں نے بے خبری میں چادر ڈال کر اٹھالیا۔"

"اُوہ.... تو تم اُسی عمارت کی بات کر رہے ہو جس میں سہیل رہتا تھا۔"

"ہاں اُسی عمارت کی۔"

"عجیب اتفاق ہے۔ عجیب اتفاق ہے۔" وہ مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔

"اور اب میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم اس سلسلے میں میری کافی مدد کر سکتی ہو۔"

"میں کیامدد کر سکوں گی۔"

"چونکہ اس عمارت کاایک فرد تمہارا تعاقب کر تا رہا تھا۔ اس لئے تم نے اس عمارت میں خاص طور پر دلچسپی لی ہو گی۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"کیا سہیل وہاں تنہا رہتا تھا۔"

"نہیں.... اکثر میں نے دوسروں کو بھی دیکھا ہے لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی کہ وہاں مستقل طور پر رہتے تھے یا محض ان کی آمد ورفت تھی۔"

"کبھی کوئی دبلا پتلااور لمبا سا آدمی بھی دکھائی دیا تھا جسکے چہرے کی بناوٹ تمہیں عجیب لگی ہو۔"

"میں نے قریب سے تو کسی کو بھی نہیں دیکھا۔"

"غالباً یقین کے ساتھ یہ بھی نہ بتا سکو گی کہ سہیل یہاں تنہا ہی رہتا تھا۔"

"یہی بات ہے۔ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی۔"

"یہ کس نے بتایا تھا کہ وہ ڈویژنل کمشنر کا سالا ہے۔"

"پاپا نے بتایا تھا.... وہ خود ہی ہاتھ اٹھا کر اُسے سلام کیا کرتے تھے۔"

"تم نے اپنے پاپا کو بھی بتایا ہو گا کہ وہ تمہارا تعاقب کیا کرتا ہے۔"

"بتادیتی تو پھر کبھی گاڑی نہ لے جانے پاتی۔ اسلئے کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔"

"اچھی بات ہے۔ میری سب سے بڑی مدد یہی ہو گی کہ مجھے اسی کوٹھری میں راتیں بسر کرنے دو۔"

"میرا کیا جاتا ہے.... رہو لیکن اگر پکڑے گئے تو میں اس سے اپنی لاعلمی ہی ظاہر کردوں گی۔"

"بالکل.... بالکل۔"

"لیکن پولیس نے تمہیں کیوں گھیر نے کی کوشش کی تھی۔"

"وہ بلیک میلر جانتا ہے کہ میں اُس کی تاک میں ہوں۔ پچھلی رات اُسی کے آدمیوں نے مجھے گھیر نے کی کوشش کی تھی۔ لیکن بس نہیں چلا تھا۔ لہٰذا آج انہوں نے پولیس کی آڑلی۔"

"وہ خود ہی مجرم ہوتے ہوئے بھی پولیس کے پاس گئے تھے؟"

"جب تک کسی کے جرائم منظر عام پر نہ آجائیں قانون کی نظر میں وہ محترم ہی رہتا ہے۔ انہوں نے مجھ پر کوئی الزام رکھ کر....!"

"آہاں....!" وہ بات کاٹ کر جلدی سے بولی۔ "پولیس نے تم پر کسی ڈکیتی میں حصہ لینے کا

الزام عائد کیا ہے۔"

"کچھ بھی کہہ سکتے ہیں.... میں صفائی پیش کرنے سے تو رہا۔"

وہ چند لمحے خاموش رہ کر بولی۔ "تمہیں بھوک تو نہیں لگی۔"

"نہیں آج بالکل ٹھیک ہوں۔"

"ایک بات بتاؤ.... بتاؤ گے؟"

"پوچھو....!"

"صورت سے تو بالکل احمق معلوم ہوتے ہو۔ لیکن یہ اتنے سارے داؤں پیچ کہاں سے آ گئے تمہیں۔"

"ویسے بھی احمق ہی ہوں۔ اب یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے کہ خواہ مخواہ اتنا بڑا خطرہ مول لے بیٹھا ہوں۔"

"تم حقیقتاً کون ہو اور کیا کرتے ہو؟"

"دوسروں کے پھٹے میں ٹانگ اڑانا میری ہابی ہے محض دلچسپی کی خاطر کنویں میں بھی چھلانگ لگا سکتا ہوں۔"

"تم بتانا نہیں چاہتے اپنے متعلق۔ کیا میں کسی سے کہتی پھروں گی۔"

"میں کیا بتاؤں اپنے بارے میں۔ میں صرف میں ہوں۔ اپنے علاوہ دنیا میں کوئی میرا نہیں ہے۔"

"ماں باپ....!"

"ضرور ہوں گے ورنہ میں پھر کہاں ہوتا؟"

"میں پوچھ رہی ہوں زندہ ہیں یا مر گئے....!" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"زندہ ہیں۔"

"کیا انہیں تمہاری پرواہ نہیں ہے۔"

"پرواہ تو ہے۔ لیکن وہ بہت زیادہ شریف لوگ ہیں۔ میری طرح کسی کو قتل نہیں کر سکتے۔"

"تم قاتل بھی ہو۔"

"ضرورتاً قتل بھی کر دیتا ہوں۔ لیکن ابھی تک میرے ہاتھوں کوئی بے گناہ نہیں مرا۔"

"تمہاری صورت دیکھ کر کوئی تمہیں قاتل نہیں کہہ سکتا۔"

"اور یہی چیز میرے لئے آسانیاں پیدا کرتی ہے۔"

"تم پڑھے لکھے بھی ہو۔"

''کہہ تو دیا کہ آکسفورڈ سے سائنس میں ڈاکٹریٹ لی تھی۔ ویسے فلسفہ بھی بہت پڑھا ہے۔ آج کل تم کسے پڑھ رہی ہو۔''

''ہیگل کو....!''

''مجھے نٹشے پسند ہے۔''

''کیوں نہ پسند ہو۔'' صبیحہ نے کہا اور سوچنے لگی کہ اب اُسے کیا پوچھنا چاہئے۔ آخر اُس نے کہا۔ ''اگر پولیس نے تمہارے سامان کا مطالبہ کیا تو....!''

''شوق سے حوالے کر دینا۔''

''کوئی قیمتی چیز ہو تو نکال لے جاؤ۔''

''زندگی سے زیادہ قیمتی چیز اور کیا ہو گی۔''

''کیا میں ٹارچ روشن کر لوں۔''

''کیوں....؟''

''تت.... تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔'' اُس نے کہا اور پھر جھینپے ہوئے انداز میں ہنس پڑی۔

وہ کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد صبیحہ نے پوچھا۔ ''تو تم جاگ رہے تھے۔''

''ہر گز نہیں.... بے خبر سو رہا تھا۔''

''میں نہیں مان سکتی۔ کیونکہ میری دانست میں.... چارپائی میں ہلکا سا بھی دھکا نہیں لگا تھا۔''

''لیکن میری آنکھ کھل گئی تھی اور فوری طور پر خیال آیا تھا کہ تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔''

''کیوں کیا ان لوگوں میں سے کوئی نہیں ہو سکتا تھا جو پچھلی رات آئے تھے۔''

''ہر گز نہیں.... وہ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ میں پھر ادھر کا رخ کروں گا۔''

''سامان لینے آسکتے ہیں۔''

''لے جانا ہوتا تو کل ہی لے جاتے۔''

''تو تمہاری اس منطق نے تمہیں مطمئن کر دیا تھا اور تم سیدھے یہیں چلے آئے۔''

''میرے اندازے عموماً غلط نہیں ہوا کرتے۔''

''اب کیا کرو گے۔''

''پھر سو جاؤں گا.... لہٰذا اب سو ہی جانے دو۔''

''بھگا رہے ہو....!''

''ابھی شرافت سے کہہ رہا ہوں پھر کاٹنے دوڑوں گا۔''

"اچھی بات ہے میں جا رہی ہوں۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"شکریہ۔"



صفدر زیرو نائین کے ٹرانسمیٹر پر کوڈ ورڈز میں کہہ رہا تھا۔ "پبلک گارڈن سے ایک آدمی اُسے لے گیا تھا اور وہ اسی عمارت میں پہنچا دی گئی جہاں سہیل رہتا تھا۔ مکان مقفل تھا۔ پہنچانے والا بھی کچھ دیر بعد وہاں سے چلا گیا تھا۔ اب وہ وہاں تنہا ہے۔ نگرانی ہو رہی ہے.... اوور اینڈ آل۔"

سوئچ آف کر کے وہ جوزف کی طرف مڑا، جو قریب ہی دانت نکالے کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے؟"

"وہ کتیا کی بچی مجھے اپنے ساتھ کہیں لے جانا چاہتی ہے۔" جوزف نے خشک لہجے میں کہا۔

صفدر نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "ساڑھے بارہ بجے رات کو۔"

"ہاں....!"

"کہاں لے جائے گی۔"

"خدا جانے کہتی ہے سفید سوٹ پہن کر چلنا۔ مجھے تماشا بنانا چاہتی ہے۔"

"اندھیرے میں بھی چمکو گے سفید سوٹ میں۔"

"میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا۔"

"تمہارے باس کا حکم ہے۔"

"میں کیسے یقین کر لوں۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔"

"دیکھو مسٹر میں ابھی تک محض تمہارے کہنے سے اُسے منہ لگا تا رہا ہوں۔ اَب وہ اس قدر آگے بڑھ گئی ہے کہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے.... کیا یہ اچھی بات ہے۔"

"میں نے اپنی مرضی سے تمہیں اس پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ تمہارے باس کا حکم تھا۔"

"اُو میرے باپ....!" جوزف نے دانت پیس کر اپنی پیشانی پر مکا مارا۔

"تم ڈرتے ہو کیا اُس سے۔" صفدر نے چھیڑنے کے سے انداز میں پوچھا۔

"میں ڈرتا ہوں.... جوزف....!" وہ چھاتی ٹھونک کر دہاڑا۔

"یقیناً یہی بات ہے۔"

"ہاں میں ڈرتا ہوں۔" جوزف نہ جانے کیوں مضمحل ہو گیا۔

"ڈرتے ہو نا....!"

"یہ بات نہیں ہے۔" وہ چیخنے لگا۔ "مجھے عورتوں کی مسکراہٹ سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ جب وہ خاص انداز میں مسکراتی ہیں اور آنکھیں اُس بلی کی آنکھوں سے مشابہ ہوتی ہیں جسے بیداری میں چھچھڑوں کے خواب آرہے ہوں۔"

"تمہیں جانا پڑے گا.... تم جاؤ گے۔ سفید سوٹ میں.... تمہارے باس کا حکم ہے۔ نمک حرامی نہ کرو۔"

یک بیک جوزف کے چہرے پر گہری سنجیدگی نظر آنے لگی پھر ہونٹ کانپے اور صرف اتنا نکلا.... "نمک حرامی....!"

اور وہ اپنا سر پیٹ پیٹ کر کہنے لگا۔ "جاؤں گا.... جاؤں گا.... جاؤں گا۔"

اور یہی رٹتا ہوا کمرے سے نکل بھی گیا۔ آواز بے بسی اور جھلاہٹ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

صفدر نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر کے فریکوینسی تبدیل کی اور کوڈ ورڈز میں بولا۔ "ہیلو ہیٹو.... ہیلو ہیٹو.... نگرانی کرنے والوں کو ہدایت دی جائے کہ جوزف کا تعاقب ہرگز نہ کیا جائے.... اوور اینڈ آل....!"



سفید سوٹ میں وہ اتنا نمایاں ہوا کہ تماشہ بن کر رہ گیا.... ریٹا اُس کے ساتھ تھی اور وہ ہوٹل سے نکل کر فٹ پاتھ پر رک گئے تھے۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس وقت مجھے کہاں لے جانا چاہتی ہو۔" جوزف نے کنکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بہت لمبا بزنس ہے.... تم فائدے ہی میں رہو گے۔"

"کیسا بزنس....؟"

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔ تم مرے کیوں جارہے ہو میں تمہیں اتنا ڈرپوک نہیں سمجھتی تھی۔"

"مجھے غصہ نہ دلاؤ۔" جوزف غرایا۔ "اب کچھ نہ پوچھوں گا۔"

"شاباش.... میں تمہیں سکھاؤں گی کہ عورتوں کے ساتھ کیسے رہا جاتا ہے۔"

"وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"کیا جانتے ہو.....!"

"چمڑے کا چابک بھی ساتھ ہوتا ہے۔"

"جنگلی.....!"

"جنگلی ہونا ہمارا طرہ امتیاز ہے.....!" جوزف غرایا۔

"اب آؤ.....!" ریٹا ایک طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"میں سمجھا تھا تم شائد ٹیکسی کا انتظار کر رہی ہو۔"

ریٹا کچھ نہ بولی۔ جوزف اُس کے ساتھ چلتا رہا۔

ایک موڑ پر وہ پھر رک گئی اور دوسرے ہی لمحے میں ایک لمبی سی کار سامنے آکر فٹ پاتھ سے آلگی۔

"چلو بیٹھو.....!" ریٹا نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

جوزف نے چپ چاپ تعمیل کی..... ریٹا نے اُس کے برابر بیٹھتے ہوئے دروازہ بند کر دیا اور کار چل پڑی۔

"یہ لو.....!" ریٹا نے چمڑے کا ایک پرس جوزف کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے اپنے پاس رکھ لو۔"

"اس میں کیا ہے۔" جوزف نے پوچھا۔

"جواہرات.....!" ریٹا آہستہ سے بولی۔

"تو پھر میں کیوں رکھ لوں.....؟"

"میں دراصل جواہرات کی دلالی کرتی ہوں۔"

"ضرور کرو..... لیکن میں.....!"

"تم سمجھے نہیں..... میں تمہیں ان جواہرات کا مالک ظاہر کروں گی..... تم نائیجیریا کے ایک تاجر کا رول ادا کرو گے۔"

"لیکن میں ایسا کیوں کروں گا.....؟"

"یہ جواہرات میری ملکیت ہیں۔ جس آدمی کے پاس تمہیں لے چل رہی ہوں میرا پرانا گاہک ہے۔ لیکن اگر اُسے شبہ بھی ہو گیا کہ میں ان جواہرات کی مالک ہوں تو وہ انہیں کم سے کم قیمت پر خریدنے کی کوشش کرے گا۔"

"اچھا تو پھر.....؟"

"میں اُس کی احسان مند بھی ہوں۔ اس لئے اپنی بات پر اڑی نہ رہ سکوں گی۔"

"اچھا تو پھر....؟"

"تمہاری کھوپڑی میں عقل بھی ہے یا نہیں۔"

"ہے کیوں نہیں۔ لیکن اُس ساخت کی نہیں جس میں کوئی عورت فتور کا بیج بو سکے۔"

"تو اس میں مصیبت کیا ہے کہ میں تمہیں جواہرات کا مالک ظاہر کروں تم اپنا کمیشن لے لینا۔"

"اُس کی شرح کیا ہو گی۔"

"چلو اچھا ہے .... تم نے پوچھ لیا۔ ورنہ بعد میں جھگڑا کرتے۔ میں تین فیصد سے زیادہ نہ دے سکوں گی۔"

"کیا ہزاروں میں سودا ہونے کے امکانات ہیں۔"

"تقریباً ڈیڑھ لاکھ کا چکر ہے۔"

"اس کا مطلب ہوا ساڑھے چار ہزار روپے۔"

"بالکل....!"

"مجھے منظور ہے.... لاؤ....!"

اُس نے پرس ریٹا سے لے کر اپنے ہاتھ پر تولا اور لاپروائی سے جیب میں ڈال لیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر ریٹا نے کہا۔ "کچھ بولتے بھی رہو۔ سانپ کیوں سونگھ گیا۔"

"مجھے سوچنے دو۔ ساڑھے چار ہزار کا مصرف....!"

"اُوہ.... بس اتنے ہی میں مگن ہو گئے۔"

"ایک بات ہے مسی.... کیا بتاؤ گی مجھے۔"

"پوچھو....؟"

"جب تم لاکھوں کا بزنس کر سکتی ہو تو نوکری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"محض اس لئے کہ انکم ٹیکس نہیں ادا کرنا چاہتی۔"

"تم تنہا ہو اس بزنس میں یا اور کوئی بھی ہے۔"

"صرف میری بہن.... جو کولمبو میں رہتی ہے۔"

"تو وہی تمہیں جواہرات بھیجتی ہے۔"

"ہاں....!"

"اسمگلنگ....؟"

"جو چاہو سمجھ لو....!"

"تم ان کے عیوض کولبو کیا بھیجتی ہو۔"

"چرس....!"

"او.... ہو.... وہاں کیا ریٹ چل رہا ہے؟"

"ساڑھے چار ہزار روپے سیر....!"

"مائی گڈنس....!"

"کیا تم کبھی رہ چکے ہو اس بزنس میں۔"

"کافی عرصہ تک رہا ہوں۔"

"کب سے خالی ہو۔"

"پانچ سال ہوئے ہیروں کی آخری کھیپ ہانگ کانگ سے لایا تھا۔"

"اپنے رانا صاحب کے لئے کام کرتے تھے۔"

"ارے نہیں.... وہ بہت شریف آدمی ہے۔ لاکھوں ایکڑ میں کھیتی باڑی کرتا ہے۔"

"پھر کب سے شروع کر رہے ہو۔ ہانگ کانگ میں چھ ہزار کا ریٹ چل رہا ہے۔"

"چرس کا....!"

"ہاں....!"

"چین کے سارے چرسی شائد ہانگ کانگ ہی میں اکٹھا ہو گئے ہیں۔ خیر میں سوچوں گا۔ پہرے داری مجھے بھی پسند نہیں ہے۔"

"بائیں موڑو....!" ریٹا نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔

"لیکن میں وہاں بات کیا کروں گا۔"

"کچھ بھی نہیں۔ بات تو میں کروں گی۔ میری بتائی ہوئی قیمتوں میں اگر گاہک تخفیف کرانے کی کوشش کرے تو تم انکار کر دینا۔ جب میں تم سے کہوں کیوں شیخ کیا خیال ہے.... تب تم کہنا.... خیر دے دو.... بس لفظ شیخ کا خیال رکھنا اگر میں لفظ شیخ نہ استعمال کروں تو انکار ہی کرتے رہنا۔"

"چلو ٹھیک ہے.... مجھے زیادہ نہ بولنا پڑے گا۔"

کچھ دیر بعد گاڑی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔

"چلو.... اترو....!" ریٹا نے کہا۔

وہ گاڑی سے اتر کر برآمدے میں آئے۔ ریٹا نے دروازے پر کھڑے ہوئے باوردی ملازم کو

اپنا کارڈ دیا.... کچھ دیر بعد اندر طلبی ہوئی۔ ڈرائنگ روم شاندار تھا۔ فرش پر قیمتی ایرانی قالین میں جوزف کے پیر دھنس رہے تھے۔

انہیں زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا لیکن ڈرائنگ روم میں داخل ہونے والے پر نظر پڑتے ہی جوزف کا دل ہمدردی کے جذبہ سے لبریز ہو گیا۔ کیسا حسین اور صحت مند نوجوان تھا۔ لیکن پیروں سے معذور۔ بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ اس کی زندگی پر نوحہ کرتی معلوم ہوتی تھی۔

"شیخ حمزہ کووَنڈا....!" ریٹا نے جوزف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور آپ عادل آباد کے سب سے زیادہ دولت مند آدمی کرنل حیدر صدیقی۔"

جوزف نے ہونٹ بھینچ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اُس نے محسوس کیا تھا کہ آدمی جاندار ہے۔

"بڑی خوشی ہوئی شیخ صاحب۔" کرنل حیدر نے کہا۔ "تشریف رکھئے۔"

"میرا خیال ہے کہ تکلفات میں وقت ضائع نہ کرنا چاہئے۔" ریٹا بولی۔ "مسٹر کووَنڈا.... اپنی چیزیں نکالئے۔"

جوزف نے جیب سے پرس نکال کر ریٹا کی طرف بڑھا دیا.... ریٹا نے چھوٹی میز کرنل کے صوفے کی طرف کھسکا کر پرس اُس پر خالی کر دیا۔

جواہرات میز کی سطح پر بکھر گئے۔ کرنل حیدر انہیں توجہ اور دلچسپی سے دیکھتا رہا۔ پھر بیساکھیاں سیدھی کرتا ہوا بولا۔ "ٹھہرئے میں ذرا میگنیفائنگ گلاس لے آؤں۔"

"میں ملازم کو بلاؤں۔" ریٹا جلدی سے بولی۔

"نہیں میرا رکھا ہوا ہے۔ کسی ملازم کو نہیں ملے گا۔"

جوزف نے محسوس کیا کہ ریٹا اُس کے اس رویہ پر کچھ بے چین سی نظر آنے لگی ہے۔ اس نے معنی خیز انداز میں جوزف کی طرف بھی دیکھا تھا۔ کرنل کے چلے جانے کے بعد اُس نے آہستہ سے جوزف سے کہا۔ "میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں۔"

"کیوں....؟"

"پہلے کبھی وہ میگنیفائنگ گلاس ساتھ لانا نہیں بھولا کرتا تھا۔"

"پھر کیا خیال ہے۔"

"پتہ نہیں میں اس کی اس حرکت کو سمجھ نہیں سکی۔"

"کیا خیال ہے.... وہ پولیس کو مطلع کرنے گیا ہوگا۔"

"سوچا بھی نہیں جاسکتا کیونکہ میں پہلے بھی کئی بار اس سے بزنس کر چکی ہوں۔"

"تو پھر خاموش بیٹھو....!"

"مجھے الجھن ہو رہی ہے۔"

"چپ رہو۔"

ریٹا خاموش ہو گئی۔ لیکن وہ بار بار بے چینی سے دروازے کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔ کچھ دیر بعد پھر بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی۔

ایک بڑا سا میگنیفائینگ گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔

وہ میز کے قریب بیٹھ کر خاموشی سے جواہرات کا جائزہ لینے لگا۔ ان میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے نگینے تھے وہ ان دونوں کی طرف دیکھے بغیر نگینوں کے متعلق اظہار خیال بھی کرتا جارہا تھا۔ جوزف نے کئی بار کنکھیوں سے ریٹا کی طرف دیکھا لیکن اُس کے چہرے پر بے اطمینانی ہی کے آثار پائے۔

کرنل حیدر قریب قریب بیس منٹ تک نگینوں کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر یک بیک سر اٹھا کر اونچی آواز میں بولا۔ "آپ لوگ اندر آسکتے ہیں۔ میں اپنا اطمینان کر چکا ہوں۔"

دفعتاً چار باوردی پولیس والے کمرے میں گھس آئے ان میں ایک سب انسپکٹر بھی تھا۔

"یہی ہیں۔" کرنل حیدر ان دونوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"کیا مطلب....!" ریٹا کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میری آنکھوں میں دھول جھونکنے آئے تھے تم لوگ.... یہ سارے نگینے نقلی ہیں۔" کرنل حیدر دہاڑا۔

جوزف کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ وہی اسمگلر ہیں۔" سب انسپکٹر نے اُن دونوں کو گھورتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ نگینے نقلی ہیں۔" کرنل حیدر دہاڑا۔

"تمہیں کس بات کی فکر ہے۔" جوزف نے غرا کر کہا۔ "میں نے کب کہا تھا کہ اصلی ہیں۔ کیا تم ان میں سے کچھ اصلی کے دھوکے میں خرید چکے ہو۔"

"نہیں۔"

"تو پھر اس ہنگامے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تم لوگ فراڈ ہو۔"

"ہم لوگ کچھ بھی ہوں تمہیں اس کی پرواہ نہ ہونی چاہئے کیونکہ میں نے ابھی تک تمہیں ان کے دام بھی نہیں بتائے۔"

"کچھ بھی ہو۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "تم دونوں حراست میں لئے جاتے ہو۔"

"دونوں کیوں؟" جوزف نے آنکھیں نکالیں۔ "ان نگینوں کا مالک میں ہوں یہ نہیں۔ اس بیچاری نے تو صرف فروخت کرا دینے کا وعدہ کیا تھا اور اسے بھی اس کا علم نہیں کہ نگینے نقلی ہیں۔"

"کیوں....؟" سب انسپکٹر نے ریٹا کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔ لیکن ریٹا اسے جواب دینے کی بجائے جوزف کی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"تم صرف مجھ سے بات کرو۔" جوزف نے سب انسپکٹر سے کہا۔

"تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو۔"

"میں شیخ کوؤانڈا ہوں.... نائیجریا کا باشندہ۔"

"پاسپورٹ دکھاؤ۔"

"پاسپورٹ ساتھ لئے نہیں پھرتا۔ وہ میرے ہوٹل میں ہے۔"

"تم خاموش رہو شیخ۔" ریٹا بول پڑی۔ "جب تک میرا وکیل یہاں نہ پہنچ جائے تم ان لوگوں سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کرو گے۔"

"جب آپ کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے تو آپ کیوں ٹانگ اڑا رہی ہیں۔" سب انسپکٹر غصیلے لہجے میں بولا۔

"میں نے تو نہیں کہا کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" ریٹا کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

"نہیں مسی تم خاموش ہی رہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں دھوکے میں رکھا تھا۔ تم خواہ مخواہ بیچ میں نہ آؤ۔" جوزف نے کہا اور ریٹا کے چہرے پر عجیب سے آثار دیکھے جیسے وہ کسی اندرونی کشمکش میں مبتلا ہو۔

کچھ دیر کے لئے کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت طاری ہو گیا۔

"ہتھکڑیاں لگا دو۔" آخر سب انسپکٹر نے جوزف کی طرف اشارہ کر کے کہا اور ایک کانسٹیبل نے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکال کر جوزف کے ہاتھوں میں ڈال دیا۔

"آپ میرے وکیل کے آنے سے پہلے انہیں یہاں سے نہیں لے جا سکیں گے۔" ریٹا نے کسی قدر غصیلی آواز میں کہا۔

"تھانے ہی میں لے آیئے گا وکیل کو....!" سب انسپکٹر خشک لہجے میں بولا۔

"بہت بہتر۔" ریٹا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

سب انسپکٹر نے کرنل حیدر سے کہا "کرنل صاحب! محرر کو بیان لکھوا کر اپنے دستخط کر دیجئے گا۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔" پھر ریٹا کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ان کا بھی تحریری بیان۔"

وہ کرنل سے مصافحہ کر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ جوزف اُس کے پیچھے چل رہا تھا اور دو کانسٹیبل اُس کے پیچھے تھے۔



جوزف کو پندرہ بیس منٹ تک ایک بند گاڑی میں سفر کرنا پڑا تھا۔ اس لئے اس کا اندازہ کرنا ممکن ہی نہیں تھا کہ اُسے کن راستوں سے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔

کچھ دیر بعد گاڑی کسی جگہ رکی اور اُس سے نیچے اترنے کو کہا گیا۔ وہ بے چوں و چرا گاڑی سے اتر آیا.... باہر چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کچھ دور پیدل چلنے کے بعد وہ ایک عمارت میں داخل ہوئے اور بالآخر ایک کمرے میں پہنچ کر رک گئے۔ سامنے ہی ایک پر وقار معمر آدمی بیٹھا نظر آیا اس نے جوزف کو تیکھی نظروں سے دیکھا تھا۔

"کیوں کیا ہے؟" اُس نے سب انسپکٹر سے پوچھا۔

"جناب عالی۔ کرنل حیدر نے جس سلسلے میں ہم سے مدد طلب کی تھی اُس فراڈ کا ذمہ دار یہی شخص ہے۔ اپنا نام شیخ حمزو کووَنڈا بتاتا ہے اور نائیجریا کا باشندہ ہے۔"

"کیا بک رہے ہو۔" معمر آدمی نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں جناب۔"

"کیا نام بتاتا ہے۔"

"حمزہ کووَنڈا....!"

"ارے یہ ہیوی ویٹ چیمپئن جوزف ہے کیوں بدمعاش تم پھر دکھائی دیئے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں پہلے کبھی نہیں آیا۔"

"تو کیا شکوہ آباد کے ڈاکٹر طارق کا ملازم نہیں تھا؟"

"بالکل تھا....!"

"ڈاکٹر طارق کو کس بنا پر سزا ہوئی تھی۔"

"جعلی نوٹ چھاپتا تھا اور انہیں مشرق وسطیٰ کے لئے اسمگل آؤٹ کرتا تھا۔"

"پھر.....!" معمر آدمی نے سوالیہ انداز میں آنکھیں نکالیں۔

"کچھ بھی نہیں جناب..... وہ جیل میں ہے اور میں کچھ دیر پہلے بالکل آزاد تھا۔" جوزف نے لاپروائی سے کہا اور جماہی لے کر منہ چلانے لگا۔

"مجھے اس کا بھی علم ہے کہ تم بڑے پیکڑ ہو۔" معمر آدمی زہریلے انداز میں مسکرایا۔ "شاید نشہ اکھڑ رہا ہے۔"

"ہاں بہت دیر سے نہیں پی۔"

پہلے تو ایسا معلوم ہوا تھا جیسے معمر آدمی کچھ اور بھی کہے گا لیکن پھر وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ دفعتاً چونک کر بولا۔ "فائیل ٹی سی سکسٹی تھری لاؤ۔"

سب انسپکٹر کمرے سے چلا گیا اور معمر آدمی جوزف کو پُر تفکر نظروں سے دیکھتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد سب انسپکٹر فائیل سمیت واپس آیا۔

معمر آدمی نے مضطربانہ انداز میں فائیل اُسکے ہاتھوں سے جھپٹ لیا تھا اور دیر تک اسکی ورق گردانی کرتے رہنے کے بعد پھر جوزف کی جانب اس طرح متوجہ ہوا تھا جیسے پھاڑ ہی تو کھائے گا۔

"ہوں! تو تم عمران کے ساتھ ہو آج کل.....!" اُس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

جوزف نے اعتراف میں سر ہلا دیا لیکن اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا.....

"عمران کہاں ہے۔ ہمیں عرصہ سے اُس کی تلاش ہے۔"

"ان کی تلاش کیوں ہے آپ کو۔" جوزف نے پُر سکون لہجے میں پوچھا۔

"اس لئے کہ عادل آباد کی ایک عدالت کا سمن آج تک اس پر تعمیل نہیں کر سکا وہ سمن لینے سے گریز کر رہا ہے۔"

"ہو گا.....!" جوزف نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "اپنے معاملات وہ خود ہی جانیں۔"

"نہیں تم بھی جانو..... تمہیں بتانا پڑے گا کہ وہ کہاں مل سکے گا۔" معمر آدمی میز پر ہاتھ مار کر دہاڑا۔

"میں نہیں جانتا..... وہ کہاں ہیں۔"

"لے جاؤ۔" معمر آدمی حلق کے بل چیخا۔ "مرمت کرو۔"

ٹھیک اسی وقت وہ محرر ریتا سمیت کمرے میں داخل ہوا جو کرنل حیدر کا بیان لکھنے کے لئے وہیں رہ گیا تھا۔

"کیوں؟ کیا ہے؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"جناب مجھے اس عورت کو بھی ساتھ لانا پڑا۔ مجھے شبہ ہے کہ یہ محض بروکر کی حیثیت نہیں رکھتی۔"

"یہ کون ہے؟" معمر آدمی نے سب انسپکٹر سے پوچھا۔

"جی وہی عورت جس کا تذکرہ میں نے کیا تھا۔"

"اوہ....!" وہ اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "تم بتاؤ عمران کہاں ہے؟"

"مم.... میں.... یہ نام میرے لئے بالکل نیا ہے۔"

"یہ ٹھیک کہتی ہیں۔ میری ان سے آج ہی ملاقات ہوئی تھی۔" جوزف نے سپاٹ آواز میں کہا۔

"تم جواہرات کی بروکر ہو۔" معمر آدمی نے ریٹا سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"یہ اپنے نقلی جواہرات تمہارے توسط سے فروخت کرنا چاہتا تھا....!"

"جج.... جی ہاں.... جی ہاں۔"

"اور اس نے تمہیں اپنا نام شیخ حمزہ کوونڈا بتایا تھا۔"

"نن.... نہیں.... جی ہاں۔"

"اوہ.... سب بکواس ہے۔" معمر آدمی پھر میز پر گھونسہ مار کر دہاڑا۔

"دونوں کو لیجاؤ.... انہیں اگلنا پڑے گا۔"



ٹرانسمیٹر پر ایکس ٹو کی بھرائی ہوئی آواز کوڈ ورڈز میں پیغام نشر کر رہی تھی اور اُس کے سارے ماتحت مختلف مقامات سے اُسے نوٹ کر رہے تھے۔

"ڈپٹی کلکٹر طاہر صدیقی کے بنگلے کے سامنے والی عمارت بے حد اہم ہے۔ لڑکی وہاں لے جائی گئی تھی لیکن اُسے دوبارہ نکلتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ اس کے باوجود بھی عمارت خالی پڑی ہے۔ لڑکی کا سراغ اب تک نہیں مل سکا۔ عمارت کی کڑی نگرانی کی جائے.... اُوور....!"

پیغام وصول کرنے والوں میں صفدر بھی تھا۔ لیکن یہ پیغام خاص طور پر اس کیلئے نہیں تھا۔ اُسے تو پہلے ہی حکم مل چکا تھا کہ وہ ہوٹل ہی میں رہے۔ مقصد جو کچھ بھی رہا ہو۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایکس ٹو کی ہدایت کے مطابق اُسے دوسروں کیلئے پیغام نشر کرنے پڑتے تھے۔ مثلاً

کچھ دیر پہلے اس نے جوزف سے متعلق پیغام نشر کیا تھا کہ جوزف اور ریٹا کا تعاقب نہ کیا جائے۔

یہ پیغام اُسے الفاظ کی بجائے صوتی اشاروں میں موصول ہوا تھا اور اس نے متعلقہ لوگوں کو کوڈ ورڈز میں مطلع کیا تھا۔ یہ صوتی اشارے صرف صفدر کے لئے مخصوص تھے۔ ایکس ٹو کے دوسرے ماتحتوں کو ان کا علم نہیں تھا۔

لیکن صفدر کو حیرت تھی کہ آخر جوزف کا تعاقب کرنے سے کیوں روکا گیا ہے جبکہ ریٹا کے بارے میں یقین کیا جا چکا تھا کہ وہ انجمن بیاکاں کی ایک سرگرم رکن ہے اور ان لوگوں سے تعلق رکھتی ہے جو عمران کی تلاش میں ہیں۔

پتہ نہیں وہ اُسے کہاں لے گئی ہو؟ کیا گذری ہو اس پر؟

بڑی دیر تک وہ ان کے بارے میں سوچتا اور الجھتا رہا۔ پھر خیال آیا ممکن ہے خود ایکسٹو نے ان کا تعاقب کیا ہو۔ اس معاملے کو دوسروں پر چھوڑنا مناسب نہ سمجھا ہو۔



جوزف ایک ستون سے بندھا کھڑا تھا۔ پشت ننگی اور اس پر لمبی لمبی اُبھری ہوئی دھاریاں سی نظر آرہی تھیں۔ جوزف کا منہ ستون کی طرف تھا اور قریب ریٹا کھڑی سسکیاں لے رہی تھی۔ آخر اس نے رقت آمیز آواز میں کہا۔

"جوزف جھوٹ موٹ ہی کسی جگہ کا نام لے دو۔"

"کیوں....؟"

"ورنہ یہ لوگ مار ڈالیں گے۔"

"مار ڈالیں۔" جوزف نے لاپروائی سے کہا۔

"میرے خدا کتنی بے دردی سے پیٹ رہے تھے... شائد چوپایوں پر بھی انہیں رحم آجاتا لیکن تم پر نہ آیا۔"

"مارنا اور مار کھانا میرا پیشہ ہے۔" جوزف نے غصیلی آواز میں کہا۔

"میں فائٹر ہوں۔"

"لیکن مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔ میں نے ہی تمہیں اس مصیبت میں پھنسایا ہے۔"

"بھول جاؤ۔" جوزف غرایا۔ "بزنس میں اکثر خسارہ بھی ہو جاتا ہے۔"

"تم نہیں سمجھے۔ نہیں سمجھ سکتے... تم بہت اونچے آدمی ہو جوزف... تمہارے سیاہ فام

سینے میں ایک پُر نور دل ہے۔"

"میں نہیں جانتا.... تم اگر مجھے پٹتے نہیں دیکھ سکتیں تو ان سے کہو کہ تمہیں کہیں اور لے جائیں۔"

"اوہ.... جوزف.... جوزف.... میں آدمی کی بچی ہوں.... مجھے کسی کتیا نے نہیں جنم دیا تھا.... میں کیا کروں۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا تو یہ کرو کہ میرے سامنے کھڑی ہو کر اس قسم کی باتیں نہ کرو۔ کسی دوسرے گوشے میں چلی جاؤ۔"

"وہ.... پھر آرہے ہیں.... اُوہ خدا....!"

دفعتاً دروازہ کھلا اور سب انسپکٹر کمرے میں داخل ہوا۔

وہ چند لمحے جوزف کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "یہ تو بہت ہلکی قسم کی ورزش تھی اب سچ مچ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"مجھے ہٹاؤ یہاں سے خدا کے لئے میرے سامنے....."

"تم خاموش رہو۔ دیکھو اور اسے مجبور کرو کہ عمران کا پتہ بتادے۔"

"میں قسم کھا سکتی ہوں کہ یہ نام میرے لئے بالکل نیا ہے۔"

"لیکن اس کلوٹے سے تو بہت پرانی دوستی رکھتی ہو۔"

"ہم آج ہی ملے تھے۔" جوزف غرایا۔ "کیا تم سن نہیں سکتے۔ بہرے ہو۔"

"ابھی بتاتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔" سب انسپکٹر نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

دروازہ پھر بند ہو چکا تھا۔

"میں کیا کروں۔ میں کیا کروں۔" ریٹا اپنے بال مٹھیوں میں جکڑتی ہوئی بڑبڑائی پھر جوزف سے بولی۔ "خدا کے لئے کوئی الٹا سیدھا پتہ بتادو۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمیں چھوڑ دیں گے اور جواہرات والے معاملے کو بھی آگے نہ بڑھائیں گے۔ تمہارا نقصان ہی کیا ہے اگر وہ تمہارے بتائے ہوئے پتہ پر اُسے نہ پاسکے تو تم کہہ سکو گے ممکن ہے وہ تمہیں اطلاع دیئے بغیر کہیں اور چلا گیا ہو۔"

"وہ اُسے پالینے کے بعد ہی مجھے چھوڑیں گے۔" جوزف نے کہا۔

"اس کی ذمہ داری میں لیتی ہوں.... اچھا میں تمہیں ایک پتہ بتاتی ہوں تم وہی دہرا دینا۔"

"تم کس طرح ذمہ داری لے سکتی ہو۔" جوزف نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

وہ قریب آکر آہستہ سے بولی۔ "جس طرح تم نے ہیروں والا معاملہ قطعی طور پر اپنے سر

اوڑھ لیا تھا۔"

"وہ تو بزنس تھا۔ اس پار یا اُس پار۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں خود کو اُن ہیروں کا مالک ظاہر کروں گا۔ لہٰذا اب تک کئے جارہا ہوں۔"

"لیکن یہ تو سوچو کہ میں نے تم سے فراڈ کیا تھا۔ تمہیں بتایا نہیں تھا کہ ہیرے نقلی ہیں۔"

"کچھ بھی ہو.... جوزف بااصول آدمی ہے جو بات ایک بار زبان سے کہہ دی اسے پتھر کی لکیر سمجھو.... میں کہہ تو رہا ہوں کہ میں اس کو خسارے کا سودا سمجھ کر سب کچھ برداشت کرلوں گا۔ بزنس میں خسارہ ہونے کی بناء پر ہم فریق ثانی کو مار تو نہیں بیٹھتے۔"

"تم سچ مچ بہت اونچے ہو.... سچ بتاؤ میرے حسن سے تو متاثر نہیں ہوئے۔"

"چھی....!" جوزف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "مجھے ہر سفید فام سے نفرت ہے خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت....!"

"اس کے باوجود بھی۔"

"ہاں.... زبان.... زبان دے چکا تھا تمہیں.... اب چاہے گردن کٹ جائے۔"

"میں نے تمہیں بہت بڑا دھوکا دیا ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ زندگی میں پہلی بار اپنی کسی حرکت پر پچھتاوا ہوا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"سب کچھ بتادوں گی خدا کے لئے تم میرا بتایا ہوا پتہ انہیں بتادو۔"

جوزف حیرت سے آنکھیں پھاڑے تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "اچھی بات ہے۔ میں انہیں تمہارا بتایا ہوا پتہ بتادوں گا۔"



صبیحہ نے وہ رات اپنے کمرے میں ٹہل کر گزاری جیسے ہی کلاک نے پانچ بجائے کمرے سے باہر آگئی۔ ابھی گھر والے سو رہے تھے۔ اس نے سوچا کہیں وہ گہری نیند سو رہا ہو۔ سوتا ہی رہ جائے اور گھر کا کوئی فرد اُسے کوٹھری میں دیکھ لے۔

وہ برآمدے سے گذرتی ہوئی لان تک آئی۔ چند لمحے کھڑی اِدھر اُدھر دیکھتی رہی پھر کوٹھری کی طرف چل پڑی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ پچھلی رات وہ اتنا مطمئن تھا کہ سونے سے قبل دروازے کی کنڈی بھی

نہیں چڑھائی تھی۔ حالانکہ اُسے محتاط رہنا چاہیئے تھا۔

اس وقت بھی اُس نے جیسے ہی دروازے پر ہاتھ رکھا دونوں پاٹ کھل گئے۔ وہ اندر آئی ٹارچ روشن کی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ چارپائی پر اختر کی بجائے کوئی اور چیت پڑا ہوا تھا۔

وہ بوکھلا گئی۔ لیکن جلد ہی اپنی اس بوکھلاہٹ پر ہنسی بھی آنے لگی۔ اُس نے سوچا ارے بہروپ بھی تو بھر سکتا ہے وہ۔ کہیں اب کوئی دوسرا میک اپ نہ اختیار کیا ہو۔

دبے پاؤں چلتی ہوئی وہ چارپائی کے قریب آئی اور مونچھ کے سرے کو چٹکی سے پکڑ کر زور کا جھٹکا مارا۔ خیال تھا کہ نقلی مونچھ اکھڑتی چلی آئے گی۔ لیکن وہاں تو اُس جھٹکے کے ساتھ سر ہی اوپر اٹھتا چلا آیا تھا۔

بوکھلاہٹ میں گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور سر تکیئے پر جا پڑا۔ لیکن جسم میں جنبش تک نہ ہوئی۔

اس حرکت پر شاید بیہوش آدمی کی بھی چیخ نکل جاتی۔

یہ اختر نہیں ہو سکتا۔ ہرگز نہیں.... اُس کی مونچھ تو نقلی ہی ہو سکتی تھی۔ جو نہایت آسانی سے اکھڑ آتی۔ پھر یہ کون ہے۔ اس کے کان پر تو جوں بھی نہ رینگی۔

اُس نے پھر ٹارچ روشن کی لیکن ٹھیک اُسی وقت کسی نے آہستہ سے کہا۔ "ٹارچ بجھا دو اور یہاں سے چلی جاؤ۔"

وہ اچھل کر مڑی۔ اختر سامنے کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر ٹارچ اس سے لے لی اور اس کا سوئچ آف کر دیا۔

"یہ کون ہے؟"

"خاموش رہو.... بلکہ یہاں سے چلی ہی جاؤ تو بہتر ہے۔ اجالا پھیلنے سے پہلے میں اسے یہاں سے نکال لے جانا چاہتا ہوں۔"

"یہ کون ہے۔ اسے کیا ہوا ہے۔ کیا بیہوش ہے۔"

"نہیں مر چکا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"یہ انہیں لوگوں میں سے ہے۔ پولیس کے ساتھ یہ بھی تھا غالباً صرف اسے ہی خدشہ تھا کہ میں رات یہیں بسر کروں گا۔ تنہا آیا تھا۔"

"لیکن مرا کیسے....!" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

"وہ نہ مرتا تو میں مرجاتا۔ اب جاؤ۔" وہ اُسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

صبیحہ کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ ذہن میں آندھیاں سی اٹھ رہی تھیں۔ وہ بے چوں وچرا دروازے کے باہر نظر آئی اور پھر قریب ہی جھاڑیوں میں چھپ رہنا بھی مشینی ہی طور پر عمل میں آیا تھا۔ ارادے کو اس میں دخل نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد اُس نے دیکھا کہ اختر ایک بڑا سا بنڈل اپنی پشت پر لادے کوٹھری سے برآمد ہو رہا ہے۔ اتنا اندھیرا ابھی نہیں تھا کہ وہ دیکھ ہی نہ سکتی۔

وہ پھاٹک کی طرف جانے کی بجائے اُسی طرف جا رہا تھا جدھر سے دوپہر کو دیوار پھلانگ کر بھاگا تھا۔



صبح ہوتے ہوتے ایک بار پھر جوزف کی پٹائی ہوئی اور اس نے ریٹا کا بتایا ہوا پتہ دہرا دیا۔۔۔۔ لیکن اُسے یقین نہیں تھا کہ وہ اُسے چھوڑ ہی دیں گے۔ ایک جرم میں بہر حال ملوث ہو چکا تھا۔

سب انسپکٹر اپنے ساتھیوں سمیت باہر چلا گیا اور جوزف نے ریٹا سے مسکرا کر کہا۔ "تمہارا خیال تھا کہ پتہ بتاتے ہی وہ ہمیں رہا کر دیں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔۔۔۔ انہیں اپنا اطمینان کر لینے دو۔۔۔۔ ٹھیک ہے وہ ہمیں اُسی وقت چھوڑیں گے جب ہمارے بتائے ہوئے پتہ پر دیکھ بھال کر لیں۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ ناکامی کے بعد وہ کیسے یقین کر لیں گے کہ میں نے صحیح پتہ بتایا تھا۔"

"میں دیکھ لوں گی۔"

"تمہارا وکیل کہاں ہے۔"

"اب کیا بتاؤں۔ کچھ دیر کے لئے خاموشی ہی اختیار کرو۔"

"اگر کچھ دیر اور شراب نہ ملی تو ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاؤں گا۔"

"تم اتنی زیادہ کیوں پیتے ہو۔"

"میں نے آج تک اس پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ اچھا اب مجھے کچھ دیر سونے دو۔"

"اس طرح کھڑے کھڑے نیند آجائے گی اور یہ لمبے لمبے زخم۔۔۔۔ کیا تم ان کی موجودگی میں سو سکو گے۔"

"ہاں مجھے نیند آجائے گی.... تم فکر نہ کرو۔"

ریٹا خاموش ہوگئی۔ جوزف نے اُس سے یہ بھی نہ کہا کہ اگر وہ چاہے تو اُسے اُس رسی سے نجات دلا سکتی ہے جس نے اُسے ستون سے جکڑ رکھا تھا ذرا ہی سی دیر میں وہ گہری نیند سو گیا۔

پھر اُسی وقت آنکھ کھلی تھی جب اُسے رسی کے بلوں سے آزاد کیا جارہا تھا۔ آنکھ کیا کھلی تھی بس وہ اسی قدر بیدار تھا کہ چونکائے جانے پر اپنے جسم کو پولیس والوں کے احکامات کے مطابق حرکت دے سکے۔

انہوں نے کسی کاغذ پر اُس کے دستخط بھی لئے تھے۔اس کے بعد ان دونوں کو پھر اُسی بند گاڑی میں بٹھادیا گیا تھا جس پر جوزف یہاں تک لایا گیا تھا۔

وہ گاڑی پر بیٹھا اونگھتا رہا۔ ریٹا بھی اس کے قریب ہی بیٹھی تھی دن کے گیارہ بجے تھے۔ اس بند گاڑی کے ڈرائیور نے انہیں ایک سنسان سڑک پر اتار دیا.... اور گاڑی ذرا ہی سی دیر میں ان کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

جوزف خاموش تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی ضرور تھیں لیکن بیدار نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑے رہے۔ جوزف بدستور خلاء میں گھورے جارہا تھا۔

دفعتاً ایک کار دکھائی دی.... اور ساتھ ہی اس کی رفتار بھی کم ہوتی رہی اور پھر وہ ٹھیک اُس جگہ آرکی جہاں وہ دونوں کھڑے تھے۔

"لفٹ چاہئے۔" ڈرائیو کرنے والے نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا اور جوزف بیساختہ اچھل پڑا.... منہ کسی قدر کھلا تھا لیکن پھر دانت سختی سے ایک دوسرے پر جم گئے تھے۔

"بہت بہت شکریہ....!" ریٹا بولی۔ "میرا ساتھی بیمار ہے۔"

اُس نے پچھلا دروازہ کھول کر جوزف سے اندر بیٹھنے کو کہا اور اُس کے بیٹھ جانے کے بعد خود بھی بیٹھ کر دروازہ بند کردیا۔

"کہاں جانا ہے۔" ڈرائیور نے پوچھا۔

"پہلے کسی بار میں لے چلو.... میرا ساتھی بیمار ہے۔ برانڈی اس کے لئے مفید ہوگی۔"

"اوہو.... برانڈی تو میرے پاس بھی موجود ہے۔ اگر کسی کام آسکے۔"

اُس نے سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک بوتل نکالی جو چوتھائی خالی تھی۔ مومی کاغذ کے دو گلاس نکالے اور پچھلی سیٹ کی طرف بڑھا دیئے۔

"بہت بہت شکریہ....!" ریٹا بولی۔ شائد وہ خود بھی کچھ پینے کی ضرورت شدت سے

محسوس کر رہی تھی۔ اُس نے گلاس میں انڈیل کر پہلے جوزف کی طرف بڑھائی.... جسے وہ ایک ہی سانس میں پی گیا اور گلاس دوبارہ ریٹا کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ تمہیں جتنی لینی ہو لے کر بوتل میرے حوالے کرو۔"

ریٹا نے اپنے گلاس میں تھوڑی سی انڈیلی تھی.... شاید اُس سے زیادہ پی بھی نہ سکتی کیونکہ پانی ملائے بغیر پینے کی عادت نہیں معلوم ہوتی تھی۔

ریٹا جوزف کی طرف پھر بوتل بڑھا ہی رہی تھی کہ ڈرائیور غرایا۔"میں قارون نہیں ہوں.... لاؤ بوتل ادھر دو۔"

"مجھے افسوس ہے۔" ریٹا نے کہا اور بوتل ڈرائیور کی طرف گھما دی۔ جسے جھٹکے کے ساتھ اُس کے ہاتھ سے لے لیا گیا۔

ریٹا نے سر بھاری بھاری سا محسوس کیا.... جوزف کی طرف دیکھا وہ بھی پھر اونگھنے لگا تھا۔ آہستہ آہستہ دونوں کی آنکھیں بند ہو گئیں۔



دوبارہ ریٹا کی آنکھ کھلی تو بد حواس ہو گئی کیونکہ اُس اجنبی کی گاڑی میں ہونے کی بجائے خود کو ایک آرام دہ مسہری پر پایا تھا.... اور جوزف کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔

یہ کسی کی خواب گاہ ہی تھی۔

دروازہ کھلا نظر آیا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور ننگے پیر ہی دروازے کی طرف جھپٹی۔

دروازے سے گذر کر دوسرے کمرے میں آئی یہاں جوزف کو دیکھا جو مسہری پر پڑا جسم تان کر جماہیاں لے رہا تھا۔

"ہم کہاں ہیں۔" وہ اُس کی جانب جھپٹتی ہوئی بولی۔

"ایں....!" وہ بھی بوکھلا کر اٹھ بیٹھا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"اب ہم یقیناً کسی بڑی مصیبت میں پڑنے والے ہیں۔" ریٹا نے آہستہ سے کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"ہم اُس گاڑی میں تھے نا۔"

"ہاں.... ہاں....!" جوزف نے احمقانہ انداز میں آنکھیں نکال کر سر ہلایا۔

"تو پھر یہاں کیسے پہنچے۔"

"اوہو....!" وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

پھر وہ پوری عمارت میں گھومتے پھرے لیکن باہر جانے کے لئے کوئی ایسا دروازہ نہ مل سکا جو مقفل نہ ہوتا۔ پوری عمارت میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

وہ تھک ہار کر بیٹھ گئے۔ دونوں ہی خاموش تھے۔ اس وقت ایک ایسے کمرے میں تھے جسے لائبریری ہی کہا جاسکتا تھا۔ چاروں طرف الماریوں میں کتابیں لگی ہوئی تھیں اور ایک بڑی میز تھی جس کے گرد کئی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

دفعتاً ریٹا نے میز پر سے سادہ کاغذ کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور قریب ہی پڑی ہوئی پنسل سے اُس پر لکھنے لگی۔ "کیا تم لکھ پڑھ سکتے ہو۔"

اور وہ کاغذ جوزف کی طرف بڑھا دیا۔ جوزف اُسے دیکھ کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرایا۔ ریٹا پھر لکھنے لگی۔ "میں نہیں چاہتی کہ ہماری آوازیں سنی جاسکیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں ڈکٹا فون پوشیدہ ہوں۔ میں نے ابھی تک تمہیں دھوکے میں رکھا ہے لیکن یقین کرو اُسی وقت سے میرے دل میں تمہارے لئے ہمدردی کا جذبہ جاگ اٹھا تھا جب تم نے کرنل حیدر کے یہاں سارے الزامات اپنے سر لے لئے تھے میں تمہارے ٹائپ کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ تم کبھی کسی عورت سے جنسی طور پر متاثر نہیں ہو سکتے۔ تمہارا وہ اقدام محض اصولوں کے تحت تھا۔ تم ایک ایماندار آدمی ہو۔ تمہاری انسانیت نے مجھے متاثر کیا تھا۔ لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ پولیس والے نہیں تھے۔ بس انہیں تمہارے باس کی تلاش ہے۔ میں انہیں لوگوں کے لئے کام کر رہی ہوں۔ کرنل حیدر پہلی بار میرے سامنے آیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ بھی انہیں لوگوں سے تعلق رکھتا ہو۔ اسکیم یہ تھی کہ مجھے اور تمہیں ایک جگہ بند کر دیا جائے تمہیں یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی جائے کہ پولیس کو تمہارے باس کی تلاش ہے۔ اگر اس کا پتہ بتادو تو جواہرات کے سلسلے میں فریب دہی کا مقدمہ بھی تمہارے خلاف نہیں قائم کیا جائے گا۔ میں تمہیں اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتی۔ میں نے دیکھا کہ تم بُری طرح پٹ رہے ہو لیکن پتہ نہیں بتاتے تو میرا دل پھٹنے لگا۔ میں نے تمہیں اس پر آمادہ کیا کہ میرا بتایا ہوا پتہ تم انہیں بتادو تاکہ وقتی طور پر ہی سہی اس اذیت سے تو نجات مل جائے۔ وہ تمہارے بتائے ہوئے پتہ پر اُسے تلاش کرتے رہے۔ واپسی پر شائد تمہیں جان ہی سے مار دیتے لیکن میں نے انہیں مشورہ دیا کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے۔ میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ میں اُس کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔ کسی دوسرے طور پر اُسے مجبور کروں گی کہ اپنے باس کا صحیح پتہ بتادے۔ یہ

ہے پوری داستان.... اب خیال ہے کہ انہیں مجھ پر بھی شبہ ہو گیا ہے۔ اس لئے وہاں سے نکال کر یہاں بند کیا ہے۔"

ریٹا نے پنسل ایک طرف رکھتے ہوئے کاغذ جوزف کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اُسے غور سے پڑھتا اور سر ہلاتا رہا۔ پھر خود بھی پنسل اٹھا کر لکھنے لگا۔"انہوں نے شائد کسی کاغذ پر میرے دستخط لئے تھے۔ اُس کاغذ کی کیا نوعیت تھی؟"

"اس اعتراف پر دستخط لئے تھے کہ تم نے جواہرات کے سلسلے میں کرنل حیدر کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی۔" ریٹا نے لکھا۔

"لیکن جب وہ پولیس والے تھے ہی نہیں تو....!" جوزف نے لکھا لیکن ریٹا نے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔

"سمجھنے کی کوشش کرو۔ پولیس والے اتنی پٹائی کرنے کے بعد کہ زخم تک ہو گئے ہوں کسی اعتراف نامے کے بغیر نہیں چھوڑ سکتے اگر ایسا کریں تو خود ان کے خلاف وہی آدمی قانونی کارروائی کر سکتا ہے۔"

"لیکن وہ پولیس والے نہیں تھے۔" جوزف نے لکھا۔

"وہ دراصل تمہیں باور کرانا چاہتے تھے کہ وہ پولیس والے ہی ہیں تاکہ مجھ پر تمہارا اعتماد بدستور برقرار رہے۔"

جوزف تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔"بالکل سمجھ گیا ہوں۔"

"شش....!" اُس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ میں بھی تمہاری طرح بیہوش ہو گیا تھا۔" جوزف ہنس کر بولا۔

"اگر ایسا ہی ہے تب بھی خاموش رہو۔" ریٹا نے پنسل اٹھا کر کاغذ پر لکھا۔

"ختم کرو۔" جوزف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔"میں نے ایک ہی گلاس تو پی تھی۔ اس اتنی شراب میں جتنی خواب آور دوا ہو سکتی تھی اس نے مجھے اپنی مقدار سے کہیں زیادہ سر درد بخش دیا تھا بس....!"

ریٹا نے بوکھلا کر لکھا۔"خدا کے لئے خاموش رہو۔ ورنہ ہم دونوں ہی جان سے مار دیئے جائیں گے۔"

"فکر نہ کرو۔ سبھی چن چن کر مارے جائیں گے جنہوں نے یہ چکر چلایا ہے۔ تم میرے باس کو کیا سمجھتی ہو۔ ارے خدا نے دس ہزار آدمیوں کی عقل اُسے عطا کی ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو۔

تمہیں یہاں کون لایا ہے؟"

"کون لایا ہے....؟" ریٹا نے بے ساختہ پوچھا۔

"میرا باس....!"

ریٹا اچھل پڑی۔

"ہاں وہ میرا باس تھا۔ وہ اپنے خادموں کی طرف سے کبھی اور کسی حال میں بھی غافل نہیں رہتا۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔" ریٹا یک بیک چہکنے لگی۔ "مجھے بھی اُس کی صورت کچھ جانی پہچانی سی لگی تھی کیونکہ ہم لوگ اس کی تصویر دیکھ چکے ہیں۔ شائد ایک میرے وینٹی بیگ میں بھی پڑی ہو۔ لیکن اب کیا ہو گا۔"

"باس جانے!" جوزف نے لاپروائی سے کہا۔

"باس....! اُوہ میں تمہارے باس کو قریب سے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"کیوں....؟" جوزف کسی شکاری کتے کی طرح چوکنا نظر آنے لگا۔

"وہ سب اُس سے بہت خائف ہیں۔ اُسے تلاش کر کے قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ انجمن نے کبھی کسی کی پرواہ نہیں کی۔"

"تمہارا باس کون ہے۔"

"جمشید کیانی.... یہاں کا سب سے بڑا ایڈووکیٹ.... وہ معمر آدمی جس نے بڑے پولیس آفیسر کا رول ادا کیا تھا۔ جمشید کیانی ہی تو تھا....؟"

"وہ کیا چاہتا ہے؟"

"فی الحال تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے باس کو تلاش کر کے قتل کر دیا جائے۔"

"مجھے اپنے باس سے ملاؤ۔"

"کہاں سے ملاؤں....؟ وہ ہمیں یہاں چھوڑ کر نہ جانے کہاں چلا گیا۔"

"کیا تم پر اس حد تک اعتماد نہیں کرتا کہ تم اُس کے پتے سے واقف ہو۔"

"میں خود ہی نہیں چاہتا کہ وہ مجھ پر اس حد تک اعتماد کرے۔"

"کیوں....؟"

"ہو سکتا ہے کسی قسم کی اذیت مجھ سے اس کا پتہ اگلوا ہی لے۔"

"تو تم اس کے لئے جان دے سکتے ہو۔"

"میں اپنے باپ کو بھی اُس پر قربان کر سکتا ہوں۔"

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ "مجھے رات کی ڈیوٹی پر پہنچنا ہے۔"

"تم ضرور پہنچو گی مطمئن رہو۔ ہم تمہیں قید میں نہیں رکھیں گے۔ میرا باس جرائم پیشہ عورتوں کی بھی بے عزتی پسند نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے عورت چاہے جیسی ہو ہر حال میں متبرک ہستی ہے کیونکہ اُس نے پیغمبروں ولیوں اور بڑے بڑے بزرگوں کو جنم دیا ہے۔"



سنگ ہی تین دن سے ساجدہ کو راہ پر لانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت بھی وہ اُس سے کہہ رہا تھا۔

"چلو.... میں نے تسلیم کر لیا کہ تم انجمن کی وفادار ہو اور عمران کے پنجے سے نکلنے کی کوشش کرتی ہو۔ لیکن اس میں کیا برائی ہے کہ تم پہلے بھی اس برائی میں ملوث رہ چکی ہو۔ اُس مل اونر کے لڑکے نے۔"

"ہاں....!" ساجدہ سر ہلا کر بولی۔ "لیکن بعد میں اُسی مل اونر کے لڑکے کی پسلی کی دو ہڈیاں بھی میں نے توڑ دی تھیں۔"

"ارے تم بعد میں میرا بھی قیمہ کر دینا.... مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ دیکھو مان جاؤ.... میں اس معاملے میں بے حد شریف آدمی واقع ہوا ہوں۔ اگر چاہتا تو تم بچ نہیں سکتی تھیں۔ لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا.... عورت تو ایک نرم و نازک پھول ہے.... اس کے لئے قصاب بن جانا کم از کم میری جمالیاتی حس تو برداشت نہیں کر سکتی۔"

"واقعی بڑے خوش ذوق ہو۔" ساجدہ مسکرائی۔ "اچھا میں ایک تدبیر بتاتی ہوں۔ اب تم اللہ میاں سے دعا مانگو کہ میں راہ پر آ جاؤں.... اپنے فلسفے سے تو بے حد بور کر چکے ہو اور اُس کے خلاف میرے دلائل بھی سن چکے ہو.... اور میں تمہیں بتاؤں.... تم دراصل اپنے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"تم دراصل ایکزبیشن اِزم کے مریض ہو اور بس....!"

"کئی بڑے آدمی اسی مرض میں مبتلا رہ چکے ہیں۔ ان میں ژاں ژاک روسو بھی تھا۔ روسو کے اعترافات پڑھے ہیں تم نے۔"

"میں نے پڑھے ہیں یا نہیں۔ اس بات کو یہیں ختم کردو۔ یہ بتاؤ کہ انجمن سے تمہارا کیا تعلق ہے۔"

"فی الحال میں ہی اس انجمن کا صدر ہوں۔"

"مجھ پر پبلک گارڈن میں حملہ کس نے کیا تھا....؟"

"عمران یا عمران کے ساتھی نے۔"

"کیوں؟ کیا اُسے علم ہو گیا ہے کہ میں انجمن کی وفادار ہوں۔"

"ہر گز نہیں۔" سنگ نے تلخ سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "صرف ہمیں یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ تم انجمن ہی کی وفادار ہو۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"وہ مجھے بچا کہتا ہے.... کچھ سمجھ کر ہی کہتا ہوگا۔"

"میں بالکل نہیں سمجھی۔"

"اچھا تو سمجھو.... تم انجمن کی وفادار ہر گز نہیں ہو تم اس لئے یہاں بھجوائی گئی ہو کہ وہ تمہارے ذریعہ سے مجھ تک پہنچ سکے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں جس عورت میں دلچسپی لیتا ہوں اُسے اُس کی قبر سے بھی کھود نکالتا ہوں۔ لہٰذا کیوں نہ وہ تمہیں ہی آلہ کار بنائے۔"

"وہ کیا جانے کہ تم مجھ میں دلچسپی لیتے ہو۔"

"اوہ کیا وہ رات بھول گئیں جب میں تمہیں اُس دیہی حویلی میں لے گیا تھا اور وہ تمہاری تلاش میں وہاں جا پہنچا تھا۔"

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ اب وہ بھی سوچ رہی تھی کہ آخر گولی اس کے لگی کیوں نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد سنگ ہی بولا۔ "کسی کو یقین آئے یا نہ آئے مجھے یقین ہے کہ تم آج کل اُس کے صحیح پتہ سے واقف نہ ہو گی۔ اُس کا کوئی ساتھی واقف نہ ہوگا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"مجھے بھی اس کے بارے میں بتاؤ۔" ساجدہ نے گھگھیا کر کہا۔ وہ قطعی طور پر بھلا چکی تھی کہ خود کس قسم کا رول ادا کر رہی ہے۔

"قریب قریب اتنا ہی حرامی ہے جتنا میں ہوں۔" سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے تو کم از کم تم جیسی عورتیں ہی سمجھ سکتی ہیں لیکن اُسے کسی قسم کی بھی عورت نہیں سمجھ سکتی.... اور

سنو کئی مواقع ایسے بھی آئے جب میں اُسے ہمیشہ کی نیند سلا سکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔'

"کیوں....؟"

"ایک انجانا سا لگاؤ مجھے روک دیتا ہے۔"

"کیا تم اُسے بہت دنوں سے جانتے ہو۔"

"ہاں اُس وقت سے جب وہ لندن میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔"

"اُس کا پیشہ کیا ہے۔"

"پولیس کے لئے کام کرتا ہے۔ اکثر پرائیوٹ کیسز بھی لے لیتا ہے۔"

"انجمن سے کیوں بگڑ گئی اس کی.... اور اسے اس کا علم کیسے ہوا کہ انجمن غیر قانونی حرکات کی مرتکب بھی ہوتی رہتی ہے۔"

"پروفیسر راشد کی حماقت کی بناء پر انجمن روشنی میں آئی تھی ورنہ سارے کام بحسن وخوبی انجام پاتے رہتے.... وہ میرے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے عمران کے پاس دوڑا گیا تھا۔"

"تم کیا چاہتے تھے پروفیسر راشد سے....!"

"میں اس کا خاتمہ چاہتا تھا۔"

"کیوں؟ کیا وہ پوری تنظیم کا صدر نہیں تھا۔"

"یقیناً تھا....! لیکن جس ملک کے لئے انجمن کام کر رہی ہے وہ اُس سے غداری پر آمادہ ہو گیا تھا وہ پوری تنظیم کو اس طرح ایک دوسرے ملک کے حوالے کر دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ انجمن کے کسی فرد کو اس تبدیلی کی ہوا بھی نہ لگنے پاتی اور وہ اسی طرح کام کرتی رہتی۔"

"وہ جانتا تھا کہ تم اُس کے پیچھے ہو۔"

"اُسے علم ہو گیا تھا لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ میں کیوں اُس کی تاک میں ہوں۔ دراصل انجمن کے قیام کے بہت پہلے میرے اور اس کے تعلقات رہے ہیں۔ ہم دونوں ہی ہیروں کے خبط میں مبتلا تھے اور اکثر ان کے لئے ساتھ ہی بیرونی ممالک کا سفر کرتے رہتے تھے۔ ایک بار کسی بات پر جھگڑا ہوا اور یہ اتنا بڑھا کہ میں نے اُسے مار ڈالنے کی قسم کھالی۔ پھر عرصہ تک ہم ایک دوسرے سے بے خبر رہے۔ میں اُس ملک کے لئے کام کرنے لگا جس کے لئے راشد نے انجمن بنائی تھی۔ لیکن ہم دونوں ایک دوسرے کے حالات سے بے خبر رہے۔ ویسے ساری دنیا میں میرے متعلق یہی رائے قائم کرلی گئی تھی کہ میں مر چکا ہوں۔ پھر میرے ملک کی سیکرٹ سروس کو علم ہو گیا کہ راشد کسی طرح غداری پر آمادہ ہے۔ اُس کی سرکوبی کے لئے مجھے یہاں بھیجا گیا اگر

راشد کو معلوم ہو جاتا کہ میں اپنا ذاتی انتقام نہیں لینا چاہتا بلکہ اُسی ملک کی طرف سے بھیجا گیا ہوں تو میری فکر میں پڑنے سے پہلے ہی وہ اُن ساری چیزوں اور کاغذات کو تلف کر دیتا جو انجمن سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ تو یہی سمجھا تھا کہ میں صرف اپنی قسم پوری کرنے کے درپے ہوں اوہ.... ختم بھی کرو.... تم نے بھی مجھے کن باتوں میں الجھالیا۔ کیا تمہیں مجھ پر کبھی رحم نہ آئے گا۔"

"جیتے جی تو ناممکن ہے۔" ساجدہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں خوب جانتا ہوں تم عمران پر ریجھی ہو۔ لیکن یقین کرو کہ وہ اُس حیثیت سے تمہیں کبھی نہ دیکھے گا۔"

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔



صبیحہ تین راتوں سے برابر مالی کی کوٹھری کے چکر لگاتی رہی تھی لیکن پھر اس حیرت انگیز آدمی سے ملاقات نہ ہو سکی۔ وہ اپنا سامان بھی کسی وقت اُس کی لاعلمی میں نکال لے گیا تھا۔

اُس نے سوچا ممکن ہے ڈیڈی کی واپسی کی بناء پر وہ یہاں سے چلا گیا ہو۔ اُس کے باپ طاہر صدیقی دورے سے واپس آگئے تھے اور انہیں گھر کے ہنگاموں کے متعلق بھی سب کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ اختر والا معاملہ بھی اُن کے علم میں لایا گیا۔

انہوں نے صبیحہ کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا تھا جیسے اُن کے اعتماد کو ٹھیس لگی ہو۔

"سب فراڈ تھا ڈیڈی....!" وہ ہنس کر بولی تھی۔

"میں مان لیتا.... اگر وہ پکڑا نہ گیا ہوتا....!" طاہر صدیقی نے مغموم لہجے میں کہا تھا۔

"ارے وہ پتہ نہیں کون شامت زدہ تھا۔ دیکھئے میں ابھی ثابت کئے دیتی ہوں.... وہ خط ممی کے پاس ہے۔"

پھر وہ اُسی مضمون کا دوسرا خط لکھنے بیٹھ گئی تھی اور اپنے باپ کو مطمئن کر دیا تھا لیکن وہ اُس آدمی کے متعلق پھر بھی تشویش میں مبتلا رہے تھے جس نے اس طرح پکڑے اور پیٹے جانے کے باوجود بھی ان لوگوں کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی تھی.... ڈرائیور اور سہیل والے واقعات کے تذکرے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی لہٰذا صبیحہ نے اس سلسلے میں خاموش ہی رہنا مناسب سمجھا تھا۔ ڈرائیور کے بارے میں باپ کو بھی وہی کہانی سنادی تھی جو ماں کو سنائی تھی۔

آج اچانک طاہر صاحب نے بے حد سنجیدگی سے اُسے مخاطب کیا اور وہ ان کے انداز میں

ہچکچاہٹ سی محسوس کر کے چونک پڑی۔ وہ اُسے الگ لے جا کر گفتگو کرنا چاہتے تھے۔

''مم.... میں تمہیں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تم بہت ذہین اور رحم دل ہو۔''

''شکریہ ڈیڈی۔'' اُس نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔ ان کی گفتگو کا یہ انداز اُس کیلئے بالکل نیا تھا۔

''تم نے اپنے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا۔''

''فلسفے میں ڈاکٹریٹ لوں گی.... اور کیا ڈیڈی۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

''پھر کیا مطلب تھا۔''

''مطلب یہ کہ اب تمہاری شادی ہو جانی چاہئے۔''

''اونہہ.... وہ تو ہو ہی جائے گی۔ لیکن شادی کے بعد مجھے دوسرے کا پابند ہو جانا پڑے گا۔ پھر شائد میں اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکوں۔''

''تم تعلیم جاری رکھ سکو گی.... وہ اس میں قطعی حارج نہ ہو گا۔ اُسے سہارے کی ضرورت ہے بے بی.... تم رحم دل ہو.... ہمدردی کے جذبات سے بھرپور.... میں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''کس کی بات کر رہے ہیں آپ....!''

''کرنل حیدر کی۔ وہ تمہاری پھوپھی کا لڑکا ہے۔''

''اُوہ.... تو یہ مسئلہ پھر چھیڑ دیا آپ نے۔ کیا آپ کو علم نہیں کہ میں پہلے ہی شدت سے اس کی مخالفت کر چکی ہوں۔''

''کیا اس لئے کہ اس کی ایک ٹانگ ضائع ہو گئی ہے۔''

''جی ہاں.... وہ قریب قریب اپاہج ہے۔''

''لیکن اتنی دولت رکھتا ہے کہ کئی پشتیں بیٹھ کر کھا سکتیں۔''

''اسی لئے تو وہ میری ہمدردی کا مستحق نہیں۔ دولت اُس کا سب سے بڑا سہارا ہے.... وہ مجھ جیسے سینکڑوں سہارے خرید سکتا ہے۔ میں شادی ضرور کروں گی لیکن کسی دوسرے کا انتخاب کر چکی ہوں۔''

''کس کا انتخاب کر چکی ہو۔'' طاہر صاحب نے کسی قدر ناخوش گوار لہجے میں پوچھا۔

''اگلے چوراہے پر پیپل کے درخت کے نیچے ایک فقیر بیٹھا رہتا ہے جس کے دونوں ہاتھ مفلوج ہیں۔''

''کیا بکتی ہو۔''

"میرا دل ہمدردی کے جذبات سے لبریز ہے میں رحم دل ہوں میں اس کا سہارا بنوں گی۔ اُسے کما کر کھلاؤں گی.... اُسے دن بھر ایک ایک پیسے کے لئے حلق نہ پھاڑنا پڑے گا.... میں اس کے لئے دنیا کی ہر آسائش مہیا کروں گی۔"

"بکواس بند کرو..... میں نے تمہیں بہت سر چڑھالیا ہے۔"

"تیر کمان سے نکل چکا ہے۔" صبیحہ نے شانوں کو لاپروائی سے جنبش دی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

غصے سے اُس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ وہ اپنے باپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی کرنل حیدر اُس کی پھوپھی کا لڑکا تھا وہ اسے صرف اس حد تک پسند کرتی تھی کہ شائستہ اور ملن سار تھا لیکن اس سے شادی کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ یقیناً اُس نے پھر ڈیڈی پر دباؤ ڈالا ہو گا اس سے پہلے بھی ایک بار اس کا پیغام آچکا تھا اور اُس نے شدت سے اُس کی مخالفت کی تھی۔ دولت محض دولت.... وہ سوچتی اور تاؤ کھاتی رہی۔ گھر میں جی نہیں لگ رہا تھا۔ اس لئے فائیل سنبھالا اور یونیورسٹی جانے کے لئے گھر سے نکل پڑی۔ اس وقت اپنی کار استعمال کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کیونکہ طاہر صاحب کو آفس جانا تھا۔

بس اسٹینڈ تک پیدل آئی۔ ٹیکسی سے پہلے یونیورسٹی کی بس مل گئی اُس نے سوچا آج بس ہی سہی۔ ہو سکتا ہے اَب عوامی ہی قسم کی زندگی بسر کرنی پڑے۔ ممکن ہے جھگڑا اتنا بڑھ جاتا کہ اُسے خود اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرنی پڑتی۔

یونیورسٹی میں بھی جی نہ لگا۔ کلاس اٹنڈ کرنے کے بعد لائبریری کی طرف چلی آئی۔ اپنا فائیل میز پر ڈال کر الماری میں کتابیں دیکھنے لگی۔ کوئی کتاب پسند نہ آئی۔ اُکتا کر پھر میز کی طرف پلٹی فائیل اٹھایا اور چونک پڑی کیونکہ فائیل کے صفحات سے ایک لفافہ پھسلتا ہوا میز پر گرا تھا۔ اُسے اٹھایا۔ نام اُسی کا تحریر تھا اور لفافہ بند تھا۔

اُس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ سہمی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ ساری ہی صورتیں جانی پہچانی نظر آئیں۔ کوئی اجنبی نہ دکھائی دیا۔

لفافے کو پھر فائیل میں رکھ کر باہر نکل آئی۔ دل کی دھڑکیں تیز ہو گئی تھیں وہ کوئی سنسان گوشہ ڈھونڈھنے لگی جہاں اُس لفافے کو کھول سکتی۔ آخر ایک جگہ موقعہ مل ہی گیا۔ اُس نے لفافہ چاک کر کے پرچہ نکالا۔ انگریزی ٹائپ میں مضمون تھا۔

"تمہارے باپ نے جو کچھ کہا ہے اُس پر تمہیں عمل کرنا پڑے گا۔ انکار کی صورت میں ایک

تباہ کن مقدمے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تمہارے باپ کا عہدہ بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ مرنے والے کا بیان پولیس کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ اپنی رضامندی فوراً ظاہر کرو۔ صرف دو دن کی مہلت دی جاسکتی ہے۔"

اُس نے ایک طویل سانس لی اور پرچے کو دوبارہ لفافے میں رکھ کر فائیل میں ڈال لیا۔

اس جنجال سے کیسے نجات ملے گی۔ اُسے اختر یاد آیا.... لیکن وہ بھی تو نہیں ملا کئی دنوں سے اب کیا ہو گا۔ اب اگر سہیل والا واقعہ سامنے آتا ہے تو ڈیڈی بھی ریوالور تان کر کھڑے ہو جائیں گے کہ اس نے پہلے ہی انہیں کیوں نہیں بتایا جب سہیل اُس کا تعاقب کیا کرتا تھا لیکن اس بلیک میلر کا کرنل حیدر سے کیا تعلق۔ اُوہ سمجھی وہ لنگڑا مردود ایسی اوچھی حرکتوں پر اتر آیا۔ بڑا گھمنڈ ہے دولت پر.... سب خاک میں نہ مل جائے تو سہی۔ لنگڑا.... صورت حرام۔

وہ یونیورسٹی کے بس اسٹاپ کی طرف بڑھ رہی تھی کہ ایک خالی ٹیکسی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اُس کے قریب سے گذری۔

"ٹیکسی....!" اُس نے ہاتھ اٹھا کر آواز دی۔ ٹیکسی رک گئی.... ڈرائیور نے نیچے اتر کر میٹر ڈاؤن کیا اور اُس کے لئے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔

وہ ڈرائیور کو گھورتی ہوئی ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ آنکھیں کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھیں۔ دفعتاً ڈرائیور نے آہستہ سے کہا۔ "اس طرح نہ گھورو۔"

اور پھر وہ سیٹ پر اچھل ہی پڑی کیونکہ وہ آواز اختر کی تھی۔ اُس نے ایک طویل سانس لی اور سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

ٹیکسی چل پڑی اور صبیحہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم یہاں کہاں۔"

"کل سے ایک آدمی کا تعاقب کر رہا ہوں۔ وہ یہاں آیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ تمہارا تعاقب کر رہا ہے۔"

"کون تھا.... کیا گھر ہی سے میرا تعاقب کرتا رہا تھا۔"

"نہیں.... یہاں آکر مختلف عمارتوں میں کسی کو تلاش کرتا رہا تھا۔ جب تمہیں دیکھا تو پھر آگے نہیں بڑھا۔ لائبریری تک تمہارے پیچھے پیچھے ہی گیا تھا جب تم الماریوں میں کتابیں دیکھتی پھر رہی تھیں تو وہ ایک جگہ رک کر تمہاری نگرانی کرنے لگا تھا۔"

"تب تو یہ خط اُسی نے میرے فائیل میں رکھا ہو گا۔"

"کیسا خط....!"

"اُسی بلیک میلر کی طرف سے موصول ہوا ہے۔"

"اوہو.... اُوہ....!" صبیحہ نے اُس کی آواز میں اضطراب محسوس کیا۔

"کیوں کیا بات ہے؟"

"تب تو میں نے غلط آدمی کا تعاقب نہیں کیا تھا اور اب وہ میرا تعاقب کر رہا ہے۔" ڈرائیور نے عقب نما آئینے کی پوزیشن بدلتے ہوئے کہا۔ "تم پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا وہ سرخ رنگ کی سپورٹس کار میں ہے۔"

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" صبیحہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"فکر مت کرو۔ مجھے پڑھ کر سناؤ کیا لکھا ہے۔"

صبیحہ نے خط کا مضمون دہرا لیا۔ ڈرائیور تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "تمہارے والد تم سے کیا چاہتے ہیں۔"

"اُن کی پسند سے شادی کروں۔"

"کسی خاص آدمی کی طرف خیال ہے۔"

"ہاں.... میرے پھوپھی زاد بھائی کا پیغام ہے۔"

"تو یہ بلیک میلر اُسی پھوپھی زاد بھائی کے حق میں تمہیں بلیک میل کر رہا ہے۔"

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"ذرا اُن ذات شریف کا بھی اَتا پتا بتاؤ۔"

"یہاں کے بڑے آدمیوں میں سے ہے.... کرنل حیدر....!"

"اُوہ.... وہ لنگڑا تو نہیں۔"

"وہی.... وہی.... کیا تم اُسے جانتے ہو۔"

"کہیں دیکھا تھا....؟" اُس نے لاپروائی سے کہا۔

"پھر اب میں کیا کروں؟"

"دو دن کا وقت دیا ہے اُس نے.... دو دن بہت ہوتے ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیا ٹھیک ہو جائے گا۔"

"وہی جو تم چاہتی ہو۔ تم اُس سے شادی نہیں کرنا چاہتیں۔"

"ہرگز نہیں۔"

"تو بس یہ شادی نہیں ہو سکے گی۔"

"لیکن بلیک میلر....!"

"دو دن بعد شائد اُس کا نشان بھی نہ مل سکے۔"

"تم کیا کرو گے۔"

"اس وقت وہ کام ہوا ہے کہ اب میں بہت کچھ کر سکوں گا۔"

"تم اب رات کو کہاں رہتے ہو۔"

"چکر لگاتی رہی ہو کوٹھری کے.... کیوں؟"

"نن.... نہیں.... تو....!"

"پھر یہ کیوں پوچھ رہی ہو۔"

"ارے تو بحث کی کیا ضرورت ہے۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ سرخ رنگ کی اسپورٹ کار ٹیکسی کے پیچھے اب بھی تھی۔



ریٹا جبرائیل چلتے چلتے رک گئی۔ حسب ہدایت اُسے ایک میل پیدل چلنا تھا تاکہ وہ اس پر بھی نظر رکھے کہ اُس کا تعاقب تو نہیں کیا جارہا۔

وہ دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔ بھلا اب انہیں تعاقب کی کیا ضرورت ہے۔ جب کہ وہ انہیں کے لئے کام کر رہی ہے۔ وہ جوزف سے بہت زیادہ متاثر تھی۔ پہلے وہ اُس کا مضحکہ اڑایا کرتی تھی لیکن اب احترام کا جذبہ اُس پر ہنسنے سے روک دیتا تھا۔

انجمن سے متعلق اُس کے خیالات بہت پہلے سے متزلزل تھے۔ انجمن میں شریک ہونے سے پہلے وہ اسے بے فکرے کھلنڈرے اور ایڈونچر کے شائق آدمیوں کی تنظیم تصور کرتی تھی لیکن رفتہ رفتہ اُسے احساس ہوا تھا کہ اُس سے کئی جرائم بھی سرزد ہو چکے ہیں اور اب وہ کبھی ان لوگوں سے چھٹکارا نہ پاسکے گی۔ اجتماعی حیثیت سے وہ ایک دوسرے کی پردہ پوشی کر سکتے تھے لیکن الگ رہ کر شاید ایک دن بھی پولیس کی گرفت سے آزاد نہ رہ سکتے۔ لہٰذا کوشش کے باوجود بھی وہ اُن سے الگ نہ ہو۔

اب ایک موقعہ ہاتھ آیا تھا۔ وہ ایک ایسے آدمی کے ساتھیوں سے آٹکرائی تھی جسے انجمن کے مفاد میں قتل کر دیئے جانے کی اسکیم بنائی گئی تھی اور وہ آدمی پولیس کے لئے کام کر رہا تھا۔ گلو خلاصی کے لئے بہترین موقعہ تھا۔

آج صبح جوزف نے بڑی سنجیدگی سے اُسے اپنے باس کا پتہ بتایا تھا اور اُس نے اُس سے پوچھا تھا کہ اس طرح پتہ بتانے کا مقصد کیا تھا۔

جوزف نے شانوں کو لاپروائی سے جنبش دے کر کہا تھا۔ "میں نہیں جانتا مقصد و قصد۔ باس نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں ان کا پتہ بتادوں۔"

ریتا سمجھ گئی کہ اس سے باس کا کیا مقصد ہے۔ خود اُسکے ذمے انجمن کیطرف سے یہی کام تو تھا کہ وہ جوزف کو ڈھرے پر لا کر اُس سے عمران کا وہ پتہ معلوم کرے جہاں وہ یقینی طور پر مل سکے۔

اُس نے مخصوص ہرکارے کے ذریعہ جمشید کیانی کو اطلاع دی کہ اُس کے پاس ایک اہم اطلاع ہے۔ جمشید کیانی نے مخصوص ہدایات کے تحت اُسے ایک جگہ پہنچنے کے لئے پیغام بھجوایا تھا اور اَب وہ اُسی بتائے ہوئے پتہ پر پہنچنے کے لئے ہوٹل سے نکلی تھی۔

ایک میل پیدل چلنے کے بعد وہ بائیں جانب والے کچے راستے پر مڑ گئی۔ ادھر وہ پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہاں عالی شان کوٹھیاں تو موجود ہیں لیکن سڑک آج تک پکی نہ ہو سکی۔ اگر ان کوٹھیوں کے رہنے والے آپس ہی میں چندہ کر کے اس سڑک کو پختہ کرانا چاہتے تو یہ کوئی ایسی بڑی بات نہ تھی۔

اُس نے مڑ کر دیکھا دور دور تک کسی ایسے آدمی کا پتہ نہ تھا جس پر تعاقب کرنے والے کا شبہ کیا جاسکتا۔ تیسری عمارت کے پھاٹک پر وہ ٹھٹکی۔ کیونکہ عمارت سنسان معلوم ہوتی تھی۔ اُسے یہیں آنا تھا۔ پھاٹک پر نیم پلیٹ بھی موجود نہیں تھی۔ وہ پھاٹک سے گذر کر اُس روش پر ہولی جو پورچ تک جاتی تھی۔

برآمدے میں پہنچ کر کال بل کا بٹن دبادیا.... دور سے گھنٹی کی آواز آئی اور پھر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ دروازہ کھلا۔

ایک دبلا پتلا اور لمبا سا چینی سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"اُوہ.... شاید میں غلط جگہ آگئی ہوں۔" ریتا نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بالکل صحیح آئی ہو۔ مس ریتا جبرائیل.... اندر آجاؤ۔" اُس نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔ لیکن لہجے میں ایسی کوئی چیز ضرور تھی جس کی بناء پر ریتا نے سخت توہین محسوس کی تھی۔

قہراً جبراً اندر آئی۔ چینی اُس کے پیچھے چل رہا تھا۔ آخر اُس نے ایک دروازے میں مڑنے کو کہا جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی ایک جانی پہچانی شکل نظر آئی یہ ساجدہ حبیب تھی۔

"تم....!" ریتا کی زبان سے اتنا ہی نکلا پھر اُس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے چینی بھی

اُس کے بعد ہی کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"بیٹھو.... ریٹا....!" اُس نے کہا۔ "یہ ساجدہ حبیب ہیں۔"

"میں جانتی ہوں۔" ریٹا نے خشک لہجے میں کہا۔

"یہ اور اچھی بات ہے۔"

"تم کون ہو۔" ریٹا نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

"شش....!" ساجدہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔ "ہمارا اصلی باس۔"

"کیا مطلب....!"

"انجمن کا اصلی سربراہ۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"رفتہ رفتہ سمجھ جاؤ گی۔" چینی ہنس کر بولا۔

"مگر میرا پیغام تو جمشید کیانی کے لئے تھا۔"

"رہا ہوگا.... ہاں تو بتاؤ.... وہ اہم اطلاع کیا تھی۔"

"یعنی.... تو کیا یہ....!" ریٹا ساجدہ کی طرف دیکھ کر بولی۔ "میرا مطلب یہ ہے۔"

"جمشید کیانی بھی انہیں کو جوابدہ ہے۔" ساجدہ نے کہا۔

ریٹا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "اُن لوگوں کو تمہارے اس طرح غائب ہو جانے پر بے حد تشویش ہے۔"

"ہونی ہی چاہئے۔" ساجدہ مسکرائی۔

"تو اب تم اُن میں واپس نہیں جاؤ گی۔"

"کیا ضرورت ہے۔"

"ارے میں اُس اہم اطلاع کا منتظر ہوں۔" چینی بول پڑا۔

"میں تمہیں نہیں جانتی اس لئے کسی قسم کی اطلاع نہیں دے سکتی۔"

"تم غلطی پر ہو ریٹا مجھ پر اعتماد کرو۔" ساجدہ بولی۔

"نہیں.... تم کیانی سے فون پر گفتگو کر سکتی ہو۔" چینی نے میز پر رکھے ہوئے فون کی طرف اشارہ کیا۔

"میں یقیناً ایسا ہی کروں گی۔"

"بہت محتاط ہو۔" چینی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ "یہ اچھی بات ہے۔"

ریٹا نے اٹھ کر کیانی کے نمبر ڈائیل کیے۔ دوسری طرف سے اُسی کی آواز آئی اور اُس نے اُسے مطمئن کر دیا تھا کہ وہ کسی غلط آدمی سے گفتگو نہیں کر رہی جو اطلاع وہ اسے دینا چاہتی تھی چینی کو بھی دے سکتی ہے۔ ریسیور رکھ کر وہ چینی کی طرف مڑی۔ اب صرف وہی دونوں اس کمرے میں تھے۔ ساجدہ جا چکی تھی۔

"جوزف کا باس.... دن بھر اِدھر اُدھر رہتا ہے۔" ریٹا نے طویل سانس لے کر کہا۔ "لیکن رات ہر حال میں ڈپٹی کلکٹر طاہر صدیقی کے بنگلے میں بسر ہوتی ہے۔ کمپاؤنڈ میں مالی کی کوٹھری ہے.... وہیں سوتا ہے۔"

"طاہر صدیقی کے بنگلے میں..!" چینی بڑبڑا کر کچھ سوچنے لگا۔ ریٹا خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔

"تمہیں یہ اطلاع کیسے ملی۔" اُس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"جوزف نے بتایا تھا۔"

"خود بخود....؟"

"ہاں وہ بہت خائف ہے۔ اب تک اُسے خوف ہے کہ پولیس اُس کے خلاف ضرور کوئی نہ کوئی کارروائی کر بیٹھے گی کیونکہ اُس سے کسی کاغذ پر دستخط لئے گئے تھے۔ میں بھی اُسے کہتی رہی ہوں کہ جب تک پولیس اُس کے باس تک نہیں پہنچ جاتی وہ خطرے ہی میں رہے گا۔"

"اُس نے وہ واقعہ اپنے باس سے ضرور بیان کیا ہوگا کیا خیال ہے تمہارا۔" چینی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں بھلا اس کا کیا جواب دے سکوں گی۔"

"اُس نے یقیناً تذکرہ کیا ہوگا۔ اور اُس کا باس اتنا احمق نہیں ہے کہ اُسے صحیح آدمیوں کی کارروائی سمجھا ہو۔ اُس نے یہاں کے سارے تھانوں سے اس کے متعلق معلومات حاصل کی ہوں گی۔ تم سب احمق ہو۔ جمشید کیانی نے مجھ سے اپنی اس اسکیم کا تذکرہ نہیں کیا تھا، جو کچھ کرنا تھا احمقوں کی طرح کر بیٹھا.... خیر اب یا تو جوزف تمہیں اُلو بنا رہا ہے یا پھر تم مجھے اُلو بنانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"کک.... کیا مطلب....!" ریٹا بوکھلا گئی۔

"کچھ نہیں....!" چینی مسکرایا۔ "کیا عمر ہوگی تمہاری۔"

"پچیس سال.... مم.... مگر کیوں؟ تمہیں کیا حق ہے میری عمر پوچھنے کا۔" ریٹا کو غصہ آ گیا۔

"اچھی لگتی ہو۔"

"شٹ اپ....!"

"مجھ سے محبت کرو گی۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ ٹھہرو بتاتی ہوں۔" وہ فون کی طرف جھپٹی لیکن چینی نے کلائی پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ کتنی سخت گرفت تھی۔ ریٹا کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کلائی کی ہڈی ٹوٹ ہی جائے گی۔

وہ مسکرا کر بولا۔ "تم جوزف کے باس سے مل گئی ہو۔"

"چھوڑ میرا ہاتھ۔" وہ آپے سے باہر ہو گئی۔ "ہاں میں اُس سے مل گئی ہوں۔ گندے سور۔ تم سب بہت جلد فنا کر دیئے جاؤ گے۔"

چینی نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ "میں غلط تو نہیں کہہ رہا تھا کہ تم مجھے اُلو بنا رہی ہو۔"

پھر اُس نے اس طرح جھٹکا دیا کہ وہ اُس سے آ ٹکرائی اور اب وہ اس کے ہاتھوں کے حلقے میں تھی۔ جیسے جیسے وہ الگ ہونے کی کوشش کر رہی تھی حلقہ تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ آخر وہ چیخنے لگی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" دروازے کی طرف سے ساجدہ کی آواز آئی۔

"سب ٹھیک ہو رہا ہے۔" چینی نے کہا۔ "تم ذرا دوڑ کر میرے لئے دو پگ بنا لاؤ۔"

"میں کہتی ہوں چھوڑو.... اسے ورنہ....!"

"بھاگ جاؤ....!"

"تم واقعی پکے سور ہو۔ ابھی مجھ پر مر رہے تھے.... اور اب یہ۔"

"مگر تم مرنے کب دیتی ہو۔"

"میں کہتی ہوں چھوڑ دو۔ ورنہ سر پھاڑ دوں گی۔" ساجدہ نے میز پر سے پیپر ویٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

ریٹا کی گھگھی بند گئی دفعتاً اُس نے محسوس کیا کہ گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے اور پھر اُس نے چھوڑ ہی دیا اب وہ ساجدہ کو گھورے جا رہا تھا۔

"تم میرا سر پھاڑو گی کیوں؟" دفعتاً وہ سانپ کی طرح پھپھکارا۔

"ہاں تمہارا سر پھاڑ دوں گی؟"

"رقابت....!" وہ مسکرایا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ لیکن اس قسم کی حرکتیں نہیں ہونے دوں گی۔"

"اسے اچھی طرح جانتی ہو۔"

"ہاں.... یہ بھی انجمن کی ممبر ہے۔"

"انجمن کی ممبر تو تم بھی ہو۔" وہ بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ اُس نے پھر کہا۔ "لیکن یہ بھی تمہاری ہی طرح عمران پر ریجھ گئی ہے۔"

ساجدہ نے ریٹا کو گھور کر دیکھا اور چینی ہنس کر بولا۔ "یہ مجھے اُلو بنانے آئی تھی۔ بظاہر انجمن سے متعلق ہے لیکن اُن کی ہمدرد ہے۔ اُن کی نہیں صرف عمران کی۔"

ریٹا خاموش تھی۔ غصے کے مارے بُرا حال تھا۔ شرمندگی بھی تھی اور اس جذباتی الجھاؤ نے زبان الگ روک رکھی تھی۔ ورنہ اُسے تو اُبل پڑنا تھا۔ اس ذہنی کشمکش کے دوران میں ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے اب سر چکرائے گا اور بے سدھ ہو کر گر پڑے گی۔

کچھ دیر بعد ساجدہ نے اُس سے پوچھا۔ "کیا یہ سچ ہے کہ تم انجمن کے مفاد کے خلاف کام کرنے لگی ہو۔"

"بالکل غلط ہے۔ اس نامعقول آدمی نے مجھے خواہ مخواہ غصہ دلا کر ایسی بات میری زبان سے نکلوادی جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور پھر یہ تو تمہارے لئے بھی یہی کہہ رہا تھا۔"

"تم دونوں کے سامنے ہی عمران کو قتل کروں گا۔ مطمئن رہو۔ تم دونوں سچی ہو اور اُس کے خون کی پیاسی بھی۔" چینی نے تلخ لہجے میں کہا۔

اس کے بعد وہ فون کی طرف بڑھا۔ ریٹا دیکھ رہی تھی کہ اُس نے جمشید کیانی ہی کے نمبر ڈائیل کئے ہیں۔



جمشید کیانی فون کا ریسیور کریڈل پر رکھ کر رومال سے پیشانی کا پسینہ خشک کرنے لگا۔ سامنے بیٹھے ہوئے دونوں آدمی اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"کیا بات ہے جناب....!" اُن میں سے ایک نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"ہم غلطیوں پر غلطیاں کر رہے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"ریٹا اور جوزف والی اسکیم مناسب نہیں تھی۔"

"آپ یقین کیجئے۔ ہم شروع سے اخیر تک دیکھتے رہے تھے ان کا تعاقب نہیں کیا گیا۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ہم اُسے بھول گئے تھے کہ وہ خود پولیس کے لئے کام کرتا رہتا ہے۔ کچھ

تعجب نہیں کہ اس بار بھی پولیس ہی کے لئے کام کر رہا ہو ایسی صورت میں پولیس کا چکر چلا کر اُسے قابو میں کرنے کی کوشش حماقت ہی تھی۔“

”پھر بتایئے ہم کیا کر سکتے ہیں۔۔جو کچھ ہم سے کہا گیا تھا ہم نے اُس میں کوتاہی نہیں کی۔“

”نہیں.... غلطی میری ہی تھی۔اب خیال یہ ہے کہ ریٹا ان لوگوں سے مل گئی ہے؟“

”ختم کر دیں اُسے۔“

”نہیں.... وہ صدر صاحب کے پاس ہے۔“

”یہ صدر صاحب میری سمجھ میں نہیں آتا جناب۔ہم تو آپ ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔“

”پروفیسر راشد کی موت کے بعد وقتی طور پر چارج مجھے ملا تھا۔“

”اب.... یہ کون ہے۔“

”اپنی حدود میں رہو۔“ جمشید کیانی کو غصہ آگیا۔

”اوہ.... مجھے افسوس ہے جناب۔“

جمشید کیانی تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا نتھنے پھلاتا رہا۔ پھر غصیلی آواز میں بولا۔”جو کوئی بھی ہے مجھ سے بہتر ہے۔ جانتے ہو وہ کون تھا جسے ہم طاہر صدیقی کے بنگلے میں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔“

دونوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”صدر کا خیال ہے کہ وہ عمران کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“

”وہ یعنی.... اُس کا ڈرائیور....!“

”ہاں ڈرائیور....!“

”لیکن ہم نے تو اُسے اچھی طرح دیکھا تھا اور عمران کی تصویر بھی اچھی طرح دیکھ چکے ہیں۔ ہمیں تو دونوں میں ہلکی سی مشابہت بھی نہیں محسوس ہوئی تھی۔“

”میک اپ بھی ہو سکتا ہے۔“

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔ تھوڑی دیر بعد ایک نے کہا۔”آخر وہ اس طرح طاہر صدیقی کے بنگلے تک کیسے جا پہنچا۔“

”تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ پروفیسر راشد کے سارے کاغذات غائب ہو گئے تھے۔ اس میں اسی عمران کا ہاتھ تھا اور طاہر صدیقی کے بنگلے کے سامنے والی عمارت ہمارے اہم ترین ٹھکانوں میں سے ہے۔ سہیل وہاں رہتا تھا۔ پروفیسر کے کاغذات نے اُس عمارت کی نشاندہی کی ہوگی۔“

وہ ابھی کچھ اور کہنے والا تھا کہ بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی اور کرنل حیدر کمرے میں داخل ہوا۔ بہت زیادہ غصے میں معلوم ہوتا تھا وہ تینوں کھڑے ہوگئے۔

وہ ایک گوشے میں رکھی ہوئی کرسی کی طرف بڑھتا ہی چلا گیا۔

"اِدھر تشریف لایئے جناب۔" جمشید کیانی نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" کرنل حیدر غرایا اور بیساکھیوں سے ہاتھ نکال کر بیٹھ گیا۔ وہ تینوں بھی بیٹھ گئے تھے اور اُسے تحیر آمیز سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

کرنل حیدر نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر باہر نکالا تو اس میں اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور نظر آیا جس کا رخ اُنہیں تینوں کی طرف تھا۔

"اپنے ہاتھ اٹھا کر میز پر رکھ لو۔" اُس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

انہوں نے مشینی طور پر اپنے ہاتھ میز پر رکھ لئے۔ لیکن اُسے ایسی ہی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے سمجھتے ہوں کہ اُس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔

"لیکن.... یہ کیوں....!" جمشید کیانی نے احتجاجاً کہا۔

"یہ اس لئے کہ تم لوگ ابھی تک مجھ سے فراڈ کرتے رہے ہو۔ پچپن ہزار روپے مجھ سے وصول کر چکے ہو۔"

"ہم کام بھی تو کر رہے ہیں۔"

"اور اُسی کام کے صلے میں تم تینوں مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں....!" ایک آدمی غرایا۔

"شٹ اپ.... میں تم سے بات نہیں کر رہا۔"

"مجھے کچھ سمجھنے بھی دیجئے جناب۔" جمشید نے کہا۔

"پچھلی رات.... وہ ڈرامہ کس لئے ہوا تھا۔"

"کون سا ڈرامہ!"

"تمہارے تین نقاب پوش۔"

"ہمارے تین نقاب پوش.... میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"گولیاں ہی تمہیں سمجھائیں گی۔ میری ایک ٹانگ محاذ جنگ پر ضائع ہوئی تھی سمجھے۔"

"آپ کچھ بتایئے تو سہی.... ہم بالکل لاعلم ہیں۔"

"میں کہتا ہوں وہ خط مجھے واپس کر دو جو تمہارے آدمیوں نے پچھلی رات زبردستی مجھ سے لکھوایا

تھا۔ مجھے اذیتیں دی تھیں۔ میری بیساکھیاں چھین لی تھیں اور مجھے زمین پر گھسٹنے پر مجبور کیا تھا۔"

"خدا کی پناہ.... ! میں اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔" جمشید کیانی بولا اور اُن دونوں کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ہم بھی کچھ نہیں جانتے یقین کیجئے.... ہم اتنا ہی کرتے ہیں جتنے کیلئے ہم سے کہا جاتا ہے۔"

"ہوں.... لیکن انہوں نے آپ سے کیا لکھوایا تھا۔" جمشید کرنل کی طرف مڑا۔

کرنل حیدر بھی کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "ماموں طاہر صدیقی کے نام ایک خط لکھوایا تھا جو کچھ وہ بولتے گئے لکھتا رہا تھا۔ بے بس تھا۔"

"آخر کیا لکھوایا تھا۔"

"بس یہ لکھوایا تھا کہ اگر خط ان تک پہنچ گیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دونوں خاندانوں کے تعلقات بہتر نہ ہو سکیں گے۔"

"کیا آپ خط کا مضمون بتا سکیں گے۔" کیانی نے پوچھا۔

"مجھے مزید اُلو بنانے کی کوشش نہ کرو۔ خط میرے حوالے کر دو۔ میں پچیس ہزار روپوں کو صبر کر لوں گا۔"

"میں آپ کو یقین دلاؤں.... ہمارا معاہدہ تھا کہ اگر آپ کا کام نہ ہو سکا تو ہم پائی پائی واپس کر دیں گے۔"

"لہٰذا کام نہیں ہو سکا اور تم پائی پائی بھی واپس نہیں کرنا چاہتے۔" کرنل حیدر نے تلخ لہجے میں کہا۔

"کرنل حیدر براہِ کرم ریوالور جیب میں رکھ لیجئے اور شریف آدمیوں کی طرح گفتگو کیجئے۔ پتہ نہیں آپ کس غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔"

"میں غلط فہمی کا شکار ہوا ہوں۔" کرنل حیدر نے چیخ کر پوچھا۔

"ہاں آپ غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔" کیانی بھی میز پر گھونسہ مار کر دہاڑا۔

پھر کچھ دیر کے لئے سکوت طاری ہو گیا تھا۔

آخر کرنل حیدر نے اوپری ہونٹ بھینچ کر پوچھا "میں کس طرح غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہوں۔"

"آپ کو یاد ہو گا ابھی کچھ ہی دن ہوئے ہمارا وہ آدمی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا جو آپ کے سلسلے میں کام کر رہا تھا۔"

"اچھا تو پھر....؟"

"کیا خیال ہے آپ کا کہ وہ اُس لڑکی کے ہاتھوں مرا ہوگا۔"

"آہم....!" کرنل حیدر کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔ "تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ اپنے کچھ مددگار بھی رکھتی ہے۔"

"بالکل.... میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔" کیانی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "اسی لئے میں خط کا مضمون بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

کرنل حیدر پھر خاموش ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر ایسے ہی تاثر تھے جیسے خود کو مطمئن نہ ہونے دینا چاہتا ہو۔ بالآخر کچھ دیر بعد اُس نے بتایا کہ خط اُس کے ماموں یعنی لڑکی کے باپ کے نام لکھوایا گیا تھا۔ الفاظ سخت اور توہین آمیز تھے یعنی اُس کی لڑکی خود کو کیا سمجھتی ہے۔ اُس جیسی دس لڑکیاں وہ خرید سکتا ہے اور اگر وہ چاہتے تو پل بھر میں اُس کی ڈپٹی کلکٹری بھی خاک میں مل سکتی ہے۔ وہ جیل جا سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اخیر میں لکھوایا گیا تھا کہ وہ خود ہی ایسی خود سر اور مغرور لڑکی سے شادی کرنا پسند نہیں کرے گا۔

"بہت بُرا ہوا۔" جمشید کیانی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "اگر خط اس کے باپ کو مل گیا تو ہماری ساری محنت برباد ہو جائے گی۔"

"تمہاری کیسی محنت....!" کرنل حیدر نے پوچھا۔

"ہم لڑکی کو اُسی معاملے میں بلیک میل کر کے راہ پر لانے کی کوشش کر رہے تھے۔"

کرنل حیدر کا ریوالور والا ہاتھ خود بخود جھکتا چلا گیا اب وہ سبھی خاموش تھے۔

کچھ دیر بعد کرنل حیدر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا تم ان لوگوں کو جانتے ہو جو اُس کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔"

"ہاں جانتا ہوں لیکن عرصہ سے اُن کے ہاتھوں تنگ بھی ہیں ہم لوگ۔"

"کچھ کرو... کہ وہ خط ماموں تک نہ پہنچ سکے۔ میں اُس کے لئے تمہیں مزید دس ہزار دوں گا۔"

"اب میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ کوئی حتمی وعدہ کر سکوں۔"

"تو پھر میرے پچپن ہزار....!"

"آپ نے خود ہی تحریر دے کر کھیل بگاڑ دیا ہے۔ بھلا ہم پر اس کی ذمہ داری کیسے عائد ہو سکتی ہے۔"

ابھی وہ بات ختم بھی نہیں کر پایا تھا کہ اُس کے ساتھیوں میں سے ایک نے کرنل حیدر پر چھلانگ لگائی اور ریوالور اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دوسرے نے جھپٹ کر ریوالور اٹھایا اور پھر اپنی

جگہ پر جا بیٹھا۔

"یہ.....یہ.....کیا..... تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" کرنل حیدر حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"آپ مطمئن رہئے کرنل صاحب۔ ہم نے احتیاطاً ریوالور آپ سے لے لیا ہے۔ کیونکہ آپ اس وقت غصے میں ہیں۔"

کرنل حیدر بے بسی سے انہیں دیکھتا رہا پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "وہ اُس حبشی آدمی کا کیا معاملہ تھا۔ وہ کون تھا اور تم نے مجھے کس قسم کا رول ادا کرنے کو کہا تھا۔"

"اسے بھول جایئے۔ ہم آپ کے لئے اتنا کچھ کرتے رہے ہیں اگر آپ نے بھی کسی معاملے میں ہماری تھوڑی سی مدد کر دی تو کیا ہوا۔"

"لیکن وہاں پولیس والوں کا بھی تو چکر تھا۔"

"میں پھر کہتا ہوں کہ اُسے بھول جایئے۔ ورنہ بڑے خسارے میں رہئے گا۔"

کرنل حیدر بیساکھیاں ٹیک کر اٹھتا ہوا بولا۔ "میرا ریوالور واپس کرو۔ میں جا رہا ہوں۔"

کیانی نے ریوالور اپنے ساتھی کے ہاتھ سے لے کر اُسے خالی کیا اور اٹھ کر کرنل حیدر کے پاس آیا۔

"آپ بہت غصے میں ہیں۔" وہ اُس کی طرف ریوالور بڑھاتا ہوا بولا۔ "میں دیکھوں گا کہ آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ کوشش تو یہی ہو گی کہ خط اُس کے باپ تک نہ پہنچ سکے۔"

کرنل حیدر نے جھٹکے کے ساتھ ریوالور اُس کے ہاتھ سے لیا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ وہ اس کی بیساکھیوں کی کھٹ کھٹ سنتے رہے۔ چہرے پر فکر مندی کے آثار تھے۔ کافی دیر تک وہ ایک دوسرے سے نہیں بولے۔



ساجدہ نے کراہ کر کروٹ لی اور آنکھیں کھول دیں۔ دیر تک پلکیں جھپکائے بغیر خلا میں گھورتی رہی پھر بڑبڑاتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ "پھر وہی منحوس تہہ خانہ.....!"

پچھلی رات وہ اسی تہہ خانے میں سوئی تھی۔ لیکن آنکھ کھلی تھی تو خود کو ایک ایسی عمارت میں پایا تھا جہاں سے آسمان بھی نظر آیا تھا۔ ریٹا سے بھی ملاقات ہوئی۔ سنگ ہی دن بھر دونوں کو چھیڑتا اور اُن کی گالیاں سنتا رہا تھا۔

سرِ شام اُسے نیند آ گئی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ شام کی چائے میں بھی کوئی خواب آور چیز شامل رہی ہو۔

اور اب پھر وہی تہہ خانہ.... اس نے گھڑی دیکھی بارہ بج رہے تھے۔ رات ہی کے بارہ بجے ہوں گے۔ اُس نے سوچا یہ کم بخت چینی سچ مچ حرام زادہ معلوم ہوتا ہے۔ کس طرح شیشے میں اتارا تھا ریٹا کو.... اب وہ اُس کے ساتھ ہی ہو گی۔ کچھ بھی ہو اتنی بات تو ہے.... درندگی پر نہیں آمادہ ہوتا۔

پھر وہ اپنے نامعلوم انجام کے متعلق سوچنے لگی۔ خیالات میں اس طرح ڈوب گئی کہ گردوپیش کی خبر ہی نہ رہی۔

پھر وہ کسی قسم کی آواز ہی تھی جسے سن کر اچھل پڑی تھی۔ قہقہہ.... تیز قسم کا قہقہہ.... دروازے کی طرف مڑی۔

سنگ ہی کھڑا بے تحاشہ ہنس رہا تھا۔ وہ غصیلی نظروں سے اُسے دیکھتی رہی۔ مردود نے بُری طرح ڈرادیا تھا۔ صورت حرام کہیں کا۔

"پھنس گیا....!" وہ ہاتھ اٹھا کر بدستور ہنستا ہوا بولا۔ "بالآخر چوہا پھنس گیا۔"

"کون پھنس گیا....؟"

"وہی عمران.... جس کے لئے تم اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھرتی تھی۔ اب میں تمہارے ہی سامنے مارڈالوں گا تاکہ تم سکون ہی سے میری ہو سکو۔ پہلے طرح دیتا تھا اب ناممکن ہے۔"

"کہاں ہے.... کیسے پھنسا....!"

"آؤ دکھاؤں.... میں اَب اس دردِ سر کو ختم ہی کر دینا چاہتا ہوں۔"

وہ واپسی کے لئے مڑا.... ساجدہ بھی اُس کے پیچھے چل پڑی.... آخر کار وہ لفٹ کی شکل کے ایک بہت بڑے پنجرے کے پاس آپہنچے۔

پنجرے کے اندر عمران کھڑا احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہا تھا۔

یک بیک ساجدہ ہنس پڑی اور سنگ ہی نے اُسے حیرت سے دیکھتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔

"اب بتاؤ۔" ساجدہ عمران کو گھونسہ دکھاتی ہوئی بولی۔ "گن گن کر بدلے لوں گی۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ انداز سے ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے سچویشن کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ دفعتاً ساجدہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم نے اُس دن مجھے پبلک گارڈن میں بلوایا تھا ملنے کے لئے اور پھر وہیں مجھے قتل کر دینے کی کوشش کی تھی۔ کیوں؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ کیا تمہارے ہی لئے اپنی زندگی نہیں برباد کرلی تھی۔"

"غالباً میں نے تم سے کہا تھا کہ تم میرے لئے اپنی زندگی برباد کر لو۔" عمران نے بھی کسی

لڑاکا عورت کے سے انداز میں جلے کٹے لہجے میں کہا۔ بس صرف ناک پر انگلی بھی رکھ لینے کی کسر رہ گئی تھی۔

"ارے نہیں.... لڑو نہیں تم لوگ۔" سنگ ہی ہنس کر بولا۔ "ضروری نہیں کہ مرنے سے پہلے یہ بیچارہ گالیاں بھی کھائے۔ ویسے تم دونوں ہی کی گفتگو سے مکاری کی بو آرہی ہے۔ سنو بھتیجے میں اب تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اس لڑکی کو اس لئے اس تہہ خانے کے اوپر والی عمارت میں بلوایا تھا کہ اُسے تمہارے لئے چوہے دان بناؤں۔ تم نے اس مصلحت سے اس پر خود فائر کیا یا کرایا تھا کہ یہ ہم لوگوں کے ہاتھ لگے اور ہم پوری طرح مطمئن ہو جائیں کہ یہ تم سے بددل ہو چکی ہے۔ پھر یہ تم سے بھی ملتی رہے اور ہم سے بھی۔ اس طرح تم مجھے جال میں پھانسنے کی کوشش کرو۔ اب بتاؤ کیسی رہی۔ یہ اس عمارت میں تنہا رہ گئی تھی۔ تمہارے آدمی عمارت کی کڑی نگرانی کرتے رہے تھے۔ انہوں نے صرف اُس آدمی کو عمارت سے نکلتے دیکھا جو ساجدہ کو یہاں لایا تھا۔ ساجدہ کہاں غائب ہو گئی یہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ پھر تمہارے آدمی عمارت میں گھسے بھی۔ لیکن ساجدہ وہاں کہاں ملتی وہ یہاں اس زمین دوز عمارت میں منتقل ہو چکی تھی۔ وہ اُسے اوپر ہی تلاش کر کے چلے گئے اور تمہیں اطلاع دی۔ دی ہو گی کہ اسے یا تو زمین نگل گئی یا وہ فضا میں تحلیل ہو گئی۔ تم نے تہہ خانوں کی موجودگی کے امکانات پر غور کرنا شروع کر دیا ہو گا۔ کیوں ہے نا یہی بات۔"

عمران نے سعادت مندانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔

"لہٰذا اپنی عقلمندی کے نتیجے میں یہاں نظر آرہے ہو۔ پہلے تمہارے آدمی آکر یہاں تہہ خانے تلاش کرتے رہے تھے پھر تم بھی آدھمکے دراصل تمہارا ہی انتظار تھا مجھے۔ نہ جانے کتنی راتیں جاگ کر گذاری ہیں۔ تمہارے انتظار میں بھتیجے۔"

"شکریہ چچا جان....!" عمران نے گلوگیر آواز میں کہا۔

سنگ ہی مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہتا رہا "میں تمہارا منتظر تھا۔ تم آئے اور میں نے اس چوہے دان کے میکنزم کو حرکت دی اور تم ٹھیک اُسی جگہ آپہنچے جہاں میکنزم کا سلسلہ ملتا تھا تم اسی نتیجے پر پہنچے جس پر میں تمہیں پہنچانا چاہتا تھا یعنی اُسی جگہ تم نے تہہ خانے کا راستہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔ اچانک اوپر سے تم پر یہ پنجرہ گرا اور تم اُسی تختے سمیت نیچے چلے آئے۔"

"غالباً تم نے بہت جلدی میں یہ میکنزم ترتیب دیا تھا۔" عمران نے پوچھا۔

"ہے نا معجزہ....!"

"بالکل چچا.... لیکن دیکھو تو آخر بھتیجے نے بھی تمہیں ڈھونڈھ ہی نکالا۔"

"صرف اسی عمارت کی حد تک.... میرا خیال ہے کہ یہاں تک تمہاری راہنمائی راشد کے کاغذات نے کی ہوگی اور انہیں کاغذات ہی سے تمہیں اس کا بھی اندازہ ہوا ہوگا کہ تنظیم کے دو بڑے مراکز میں سے ایک عادل آباد بھی ہے اور تم نے پہلے یہیں قسمت آزمائی مناسب سمجھی۔"

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے مجھے یقین ہی نہیں تھا کہ تم سے یہاں ملاقات ہوگی۔" عمران نے کہا۔

سنگ ہی ہنس کر بولا۔ "تم لوگوں کی حرکتوں کی بناء پر میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ تم اندھیرے میں تیر چلا رہے ہو۔"

"مثال کے طور پر ایک آدھ حرکت کا تذکرہ بھی کرتے چلو۔"

"تمہارے ساتھی ایسی حرکتیں کر رہے تھے جو دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیں۔ مثال کے طور پر جوزف کی حرکتیں۔ اس بات کا اعتراف ضرور کروں گا کہ تمہارے ساتھی بہت منظم ہیں۔ بڑی اچھی ٹریننگ دی ہے تم نے۔"

"شکریہ انکل....!" عمران نے خلوص کا مظاہرہ کیا۔

"بہر حال اس چکر میں تھے تم کہ اگر میں یہیں ہوں تو تم لوگوں کی طرف متوجہ ہو جاؤں اور پھر تم مجھے گھیر سکو۔"

"بالکل یہی بات تھی انکل ڈیئر....!"

"ریٹا اور جوزف والی حماقت دوسروں سے سرزد ہوئی تھی میں کچے کام نہیں کرتا بھتیجے۔"

"یہ آخر تم نے کتنی ریٹائیں پال رکھی ہیں.... وہ بھی تو ریٹا ہی تھی جو مجھے مادام نشی کا والے کیس میں نچاتی پھری تھی.... ریٹا نکسن نام تھا شاید.... یہ ریٹا جبرائیل ہے۔"

"اور تم لوگوں کی ہمدرد بھی۔"

"نہیں....!" عمران خوشی کے مارے اچھل پڑا۔

سنگ کا موڈ یکلخت تبدیل ہوگیا۔ آنکھوں سے شدید ترین نفرت ظاہر ہونے لگی اور اُس نے عجیب سی آواز میں پوچھا۔ "تم نے جو کاغذات راشد کے یہاں سے اڑائے تھے وہ کہاں ہیں۔"

"دیکھو چچا.... اب میں سمجھوتا کرنا چاہتا ہوں۔" عمران نے آہستہ سے کہا۔

"سمجھوتا.... کیسا سمجھوتا۔"

"عمران مضطربانہ انداز میں آگے بڑھا اور جنگلے کی سلاخیں پکڑی ہی تھیں کہ اچھل کر پیچھے

جا پڑا... چت گرا تھا اور اب اُس کے ہاتھ پیر اس طرح اینٹھ رہے تھے جیسے جانکنی میں مبتلا ہو۔"

"اُوہ....!" سنگ جنگلے کی طرف جھپٹا.... پھر پیچھے ہٹ آیا۔ اس کے بعد ساجدہ نے اُسے سوئچ بورڈ کی طرف دوڑتے دیکھا۔ خود ساجدہ بُری طرح بوکھلا گئی تھی لیکن کر ہی کیا سکتی تھی اُسے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب خود اس کا بھی ہارٹ فیل ہو جائے گا۔

سنگ نے سوئچ بورڈ پر جلدی جلدی کئی سوئچ آف کیے اور پھر جنگلے کی طرف دوڑا آیا۔ پہلے اُسے انگلی سے چھوا اور اُس کے بعد ایک جگہ کی سلاخ ہلانے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جنگلے کے سامنے کا پورا حصہ ایک طرف کھسک گیا۔

"چلو....اِدھر آؤ....!" سنگ نے ساجدہ کو پکارا۔ "اسے الیکٹرک شاک لگا ہے۔ میری مدد کرو....اسے باہر نکالو۔"

دونوں نے بدقت تمام اُسے جنگلے سے باہر نکالا۔ اُس کا جسم ساکت ہو چکا تھا۔ لیکن سانس چل رہی تھی۔

"ابھی اسے بچایا جا سکتا ہے.... لکڑی کے تختے نے جان بچالی۔" سنگ بولا۔

"الیکٹرک کے کام میں کوئی خامی رہ گئی تھی۔ کرنٹ پورے جنگلے میں دوڑ گیا تھا۔"

"لل.... لیکن تم اُسے بچانا کیوں چاہتے ہو۔" ساجدہ نے روہانسی آواز میں پوچھا۔

"میرے بہت ہی اہم کاغذات ہیں اس کے قبضے میں۔ میں اسے فوری طور پر مار ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔"

"مم.... میرا خیال ہے کہ اسکی زندگی خطرے میں ہے۔" ساجدہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

سنگ عمران پر جھک کر اُس کے ہاتھوں کو جنبش دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ دفعتاً عمران کے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں سے پھسل کر گردن کے گرد چمٹ گئے پھر اُس نے قلابازی کھائی اور سنگ ہی پر سوار ہو گیا۔

"اُوہو.... اُوہو.... اُوہو....!" ساجدہ اپنی جگہ پر اس طرح اچھل رہی تھی جیسے اس حرکت میں کسی مشینی عمل کو دخل ہو۔

عمران اور سنگ ایک دوسرے سے گتھ کر رہ گئے تھے۔

ساجدہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

اچانک ایک جانب سے آواز آئی۔ "ڈارلنگ....ڈارلنگ.... تم کہاں ہو۔"

آواز ریٹا کی تھی۔ ساجدہ چونک کر مڑی۔ اُس نے دیکھا کہ ریٹا لڑکھڑاتی ہوئی اُسی طرف چلی

آ رہی ہے۔ اُس کے ہاتھ میں شیمپئن کی بوتل تھی۔ چال کی لڑکھڑاہٹ بتا رہی تھی کہ وہ بہت زیادہ نشے میں ہے۔

ساجدہ کے قریب آکر رک گئی اور آگے پیچھے جھولتی ہوئی بولی۔ "یہ.... کیا آ ہورا ہاہائے۔"

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے پر مختلف قسم کے داؤں کو آزمار ہے تھے۔ ریٹا اس طرح آنکھیں پھاڑ رہی تھی جیسے انہیں پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر وہ اُن کی طرف بڑھنے بھی لگی۔ ساجدہ نے بازو پکڑ کر اُسے پیچھے کھینچ لیا اور وہ گرتے گرتے بچی۔

"چھوڑ دو.... چھوڑ دو....!" ریٹا حلق پھاڑ کر دہاڑی۔ لیکن ساجدہ اُسے دھکیلتی ہوئی چلی گئی۔ اُس دروازے تک آئی جس سے برآمد ہوتے دیکھا تھا۔ اندر دھکیل کر دروازہ نیچے کھینچ دیا۔ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس فولادی دروازے کو وہ نشے کی حالت میں جنبش بھی نہ دے سکے گی۔

اس سے مطمئن ہو کر وہ پھر ان دونوں کی طرف پلٹ آئی۔ عمران سنگ ہی سے گتھا ہوا کہہ رہا تھا۔ "آج رات ہم دونوں میں سے ایک کو ضرور مرنا ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" سنگ ہی نے کہا اور ساجدہ اُس کی آواز سن کر چونک پڑی۔ وہ کسی ایسے آدمی کی آواز قطعی نہیں معلوم ہوتی تھی جو کسی کے خلاف جسمانی قوت صرف کر رہا ہو۔

"بہر حال یہ ڈاج کیسا رہا انکل ڈیئر... میں نے بے وجہ نہیں پوچھا کہ یہ میکنزم نیا ہے یا پرانا!"

سنگ کچھ نہ بولا۔ ساجدہ دیکھ رہی تھی کہ وہ بار بار عمران کی گردن پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر یہ دبلا پتلا جسم گوشت و پوست سے مرکب ہے یا کوئی فولادی ڈھانچہ ہے جس کی حرکت کسی مشینی نظام کی مرہون منت ہے۔

وہ ڈر رہی تھی کہ کہیں اس کا کوئی مددگار نہ آجائے۔ ویسے اس نے ان تہہ خانوں میں ابھی تک اُس کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیکھا تھا۔

یک بیک سنگ ہی عمران کی گرفت سے نکل گیا۔ پھر قبل اس کے کہ عمران اُس پر جھپٹتا اُس نے پتلون کی جیب سے چاقو نکال کر کھول بھی لیا۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ.... اگر تمہارا ہاتھ جیب کی طرف گیا تو کچھ نکال لینے سے پہلے ہی چاقو تمہارے سینے میں پیوست ہو جائے گا۔" سنگ ہی نے تیز لہجے میں کہا۔

عمران نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور سنگ ہی چاقو کو اسی طرح پکڑے رہا جیسے پھینک مارنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

پھر اُس نے ساجدہ سے کہا۔ "تم بھی اُسی کے پاس کھڑی ہو جاؤ۔"

ساجدہ بڑی متانت سے چلتی ہوئی عمران کے قریب آئی اور شانے سے شانہ ملا کر کھڑی ہو گئی۔ ہاتھ پتلون کی دائیں جانب والی جیب سے ٹکرایا تھا اور ساجدہ نے محسوس کیا تھا کہ اُس کی جیب میں ریوالور موجود ہے۔

"تم بھی اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔" سنگ نے اُسے للکارا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اپنا داہنا ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے بایاں عمران کی پتلون کی جیب میں ڈال دیا اور جیب ہی سے فائر کرنے کی کوشش کی۔ فائر ہوا بھی.... لیکن ساتھ ہی سنگ کا چاقو بھی اڑتا ہوا عمران کے جسم کے کسی حصے میں پیوست ہو گیا تھا۔ ساجدہ نے اُس کی کراہ سنی۔ جیب سے ہونے والا فائر نشانے پر نہیں بیٹھا تھا۔ دوسری ہی لمحے میں سنگ ہی نے اُن دونوں پر چھلانگ لگائی۔ پھر ساجدہ کو تو اتنی مہلت بھی نہ مل سکی کہ عمران کی جیب سے ریوالور ہی نکال لیتی۔ سنگ نے ان دونوں کو فرش پر گرا دیا تھا۔

"اُوہ.... نشانہ خطا ہو گیا۔" سنگ بڑبڑا رہا تھا۔ "بازو میں لگا ہے چاقو.... اب میں اسے تمہارے سینے میں اتار دوں گا۔"

اتفاقاً اس کے دونوں ہاتھ ساجدہ کی گرفت میں آگئے اور عمران کو اس سے پہلے ہی اُس کے نیچے سے نکل جانے کا موقع مل گیا کہ وہ بازو میں پیوست چاقو کو کھینچ کر اُس کے سینے میں پیوست کر دیتا۔ اُس نے بازو سے چاقو کھینچا اور سنگ پر ٹوٹ پڑا۔

سنگ کو شاید سچویشن کا احساس ہو گیا تھا اس لئے عمران کی مٹھی میں دبا ہوا چاقو فرش پر پڑا۔ وہ اس سے پہلے چھلانگ لگا کر دوسری طرف نکل گیا تھا۔ ساجدہ بال بال بچی۔ عمران کا ہاتھ اگر ایک بالشت ہٹ کر بھی پڑا ہوتا تو اس وقت وہاں ساجدہ کی لاش نظر آتی۔

دفعتاً ساجدہ چیخی۔ "دیکھو.... وہ بھاگ رہا ہے۔ اگر نکل گیا تو یہ تہہ خانہ ہمارا مقبرہ بن جائیگا۔"

سنگ واقعی ایک طرف دوڑا جا رہا تھا۔ قبل اس کے عمران اُس تک پہنچتا اُس نے اُس کمرے کا دروازہ جس میں ساجدہ نے ریٹا کو بند کیا تھا کسی قدر اٹھایا اور تیزی سے اندر رینگ گیا۔ قریب پہنچتے پہنچتے دروازے کا نچلا حصہ پھر فرش سے آلگا۔

عمران اُسے دوبارہ اٹھانے کے لئے زور لگانے لگا لیکن اُس نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ اِدھر سے مایوس ہو کر وہ سوئچ بورڈ کی طرف دوڑا۔

"کیا کر رہے ہو....!" ساجدہ چیخی۔

"خاموش رہو۔ تم نے جیب سے فائر کر کے سارا کھیل بگاڑ دیا۔ کیا میں خود فائر نہیں کر سکتا تھا۔"

ساجدہ کچھ نہ بولی۔ عمران سلاخوں دار جنگلے والی لفٹ کی طرف دیکھتا ہوا مختلف سوئچوں کو

آف اور آن کرتا رہا۔

دفعتاً ساجدہ کو کچھ یاد آیا اور وہ چیخی۔ "ٹھہرو.... ٹھہر جاؤ....!"

ٹھیک اسی وقت ایسا محسوس ہوا جیسے زمین ہل کر رہ گئی ہو۔ عجیب طرح کی آوازیں چاروں طرف سے آنے لگیں۔

"یہاں ڈائنا میٹ لگے ہوئے ہیں۔" ساجدہ اُسی شور میں چیخ رہی تھی۔ "اُس نے مجھے بتایا تھا۔"

دفعتاً چھت کا کچھ عرصہ ٹوٹ کر نیچے آرہا۔

عمران نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور دوڑتا ہوا ایک دیوار سے آلگا۔

"لیٹو.... لیٹ جاؤ.... دیوار سے لگ کر۔" اُس نے اُسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

دونوں دیوار کی جڑ سے لگ کر اوندھے لیٹ گئے۔

ساجدہ پر غشی سی طاری ہو رہی تھی۔ جلد ہی اُس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

پھر اُسے ہسپتال ہی میں پوری طرح ہوش آیا تھا۔ نہ وقت کا احساس تھا اور نہ تن بدن کا ہوش۔ وہ بھیانک حادثہ کسی ڈراؤنے خواب کی طرح کچھ کچھ یاد آرہا تھا۔

پھر کچھ دنوں بعد عمران نے اُسے بتایا کہ ایک فولادی دروازہ اس طرح آکر دیوار سے ٹک گیا تھا کہ وہ دونوں کے درمیان خلا میں آگئے تھے ورنہ ملبے میں دب کر خود بھی فنا ہو جاتے۔ جب وہ ہنگامہ ختم ہوا تھا تو عمران نے دروازے کی اوٹ سے نکلنے کی کوشش کی تھی اور پھر اُس نے خود کو ایک گہرے کنویں میں محسوس کیا تھا۔ اوپر کھلا آسمان بھی نظر آیا تھا۔

پوری عمارت تباہ ہو گئی تھی اور چیخ چیخ کر تھک جانے کے بعد وہ فائر بریگیڈ کے عملے کو اپنی طرف متوجہ کر سکا تھا۔ سنگ کے متعلق یقین کے ساتھ کہنا دشوار تھا کہ وہ بچ کر نکل گیا یا نکلنے سے پہلے ہی اُسے بھی اس تباہی کا شکار ہو جانا پڑا تھا اور یہ تباہی نادانستہ طور پر عمران خود لایا تھا۔ سوئچ بورڈ پر اُسے اس سوئچ کی تلاش تھی جس کا تعلق لفٹ سے تھا۔ نادانستگی میں وہ سوئچ آن ہو گیا جو عمارت میں لگے ہوئے ڈائنامیٹ سے منسلک تھا۔

بہر حال اس حادثے کے بعد اعلیٰ پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں آئی تھیں۔ پولیس والوں کے پلے کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔ وزارت خارجہ کے احکامات کے تحت گرفتار کئے جانیوالوں کی ایک طویل فہرست انکے پاس ضرور تھی لیکن نہیں معلوم تھا کہ ان کا جرم کیا ہے۔ ان گرفتار ہونے والوں میں جمشید کیانی بھی تھا۔ لیکن اُسے حوالات میں رکھنے کی بجائے کسی نامعلوم مقام پر پہنچا دیا گیا تھا۔



تباہ ہونے والی عمارت وہی تھی جس کے بارے میں اختر نے بتایا تھا کہ اس کا تعلق اس بلیک میلر سے تھا اور سہیل وہیں رہتا تھا۔ اس دھماکے سے آس پاس کی عمارتوں کو بھی کسی قدر نقصان پہنچا تھا۔ خود صبیحہ کے بنگلے کی ایک دیوار شق ہو گئی تھی۔ لیکن دوسری عمارتوں میں جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔ حادثے سے دو دن پہلے بیک اُس کے باپ نے گھر میں اعلان کر دیا تھا کہ کرنل حیدر سخت نالائق آدمی ہے۔ اگر کبھی ملاقات کی غرض سے بھی گھر آئے تو نوکروں کو چاہئے کہ اسے اٹھا کر باہر سڑک پر پھینک دیں۔ پھر اُسی رات کو وہ مالی کی کوٹھری میں اس توقع پر گئی تھی کہ شاید اختر سے ملاقات ہو جائے لیکن وہاں اُسے اس کا خط ملا تھا جس میں اُس نے اُسے بتایا تھا کہ اب وہ مطمئن رہے کرنل حیدر ساری زندگی اُس کا نام بھی نہ لے سکے گا اور اس بلیک میلر کا انجام بھی قریب ہی ہے۔

پھر عمارت کی تباہی کے بعد اُسے اطلاع ملی تھی کہ ملبے کے ڈھیر سے دو زندہ افراد برآمد ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک مرد ہے اور ایک عورت۔ لیکن اُن کے بارے میں تفصیل نہ معلوم ہو سکی۔ رات کو کئی کئی بار مالی کی کوٹھری کے چکر لگاتی لیکن تاریکی اور سکوت کے علاوہ وہاں اور کیا رکھا تھا۔ راتوں کی نیند حرام ہو گئی عمارت والے حادثے کی بناء پر سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی۔ لیکن کسی کو بھی اس کے بارے میں حقائق نہ معلوم ہو سکے۔

آج شام صبیحہ بہت اداس تھی۔ گھر میں جی نہیں لگ رہا تھا۔ اُس نے سوچا پبلک گارڈن ہی تک ہو آئے.... اس دوران ایک نیا ڈرائیور بھی آ گیا تھا اور خود ڈرائیو کرنے کے سلسلے میں باپ کی خفگی کا بھی خدشہ نہیں تھا۔

گارڈن کے پارکنگ کے حصے میں پہنچ کر اُس نے ایک ایسے آدمی کو ایک لمبی سی گاڑی سے اترتے دیکھا کہ باچھیں کھل گئیں۔ یہ اختر تھا سو فیصدی اختر.... لیکن وہ کون تھا.... وہ تحیم شحیم حبشی جو نہایت ادب سے اس کے لئے دروازہ کھولے کھڑا تھا اور اُس نے دونوں پہلوؤں سے دو ریوالور بھی تو لٹکا رکھے تھے۔

اور.... اور.... یہ عورت کون ہے؟

جیسے ہی اُس کے ڈرائیور نے کار پارک کی وہ جھپٹ کر نیچے اتر آئی.... اور بے خیالی میں تقریباً دوڑتی ہوئی ان لوگوں کی طرف چل پڑی۔

"اختر.... اختر....!" قریب پہنچنے سے قبل ہی بے اختیارانہ طور پر اُس نے اُسے آوازیں

دیں لیکن اس نے مڑ کر دیکھا تک نہیں۔

اس حرکت پر وہ جھنجھلا گئی اور تیزی سے دو قدم آگے بڑھ کر ان کا راستہ روک لیا۔

"تم سنتے کیوں نہیں۔"

"جی....!" اُس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"اونچا سننے لگے ہو....!"

"معاف کیجئے گا میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" نہایت خشک لہجے میں کہا گیا۔

وہ سمجھی شاید حسب عادت اُسے پریشان کرنا چاہتا ہے۔ اسلئے اسکے ساتھیوں کی پرواہ کئے بغیر مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولی۔ "اختر صاحب جیل چلے جایئے گا۔ بہت اودھم مچایا ہے آپ نے۔"

"آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے محترمہ....!" پہلے سے بھی زیادہ خشک لہجے میں جواب ملا۔

"میرا نام اختر نہیں.... علی عمران ہے۔"

اور پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ اُس کے ساتھی بھی چل پڑے تھے۔ لیکن عورت مڑ مڑ کر اُسے دیکھے جا رہی تھی۔

وہ وہیں کھڑی کھسیاہٹ میں طرح طرح کے منہ بناتی رہی۔ پھر یک بیک اپنی گاڑی کی طرف مڑی۔ دوڑتی ہوئی گاڑی تک آئی اور دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر گر گئی۔

"گھر چلو....!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں ڈرائیور سے کہا۔

"جی بی بی.... جی.... گھر چلوں....!" ڈرائیور کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں.... گھر....!" وہ چیخ کر بولی۔ "کیا تم نے سنا نہیں۔"

گاڑی چل پڑی.... صبیحہ کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور وہ غصہ کے مارے ہانپ رہی تھی.... پھر یک بیک اُس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

شفق کی سرخی پر آہستہ آہستہ سیاہی غالب آتی جا رہی تھی۔

﴿ختم شد﴾